ریحانہ آفتاب

دھیرے سے عید مبارک کہہ دو

"عفان مصطفیٰ! تو میرا اچھا بھائی ہے نا؟"

"نہیں کزن ہوں۔" عون کے فقیرانہ انداز پہ لاپرواہی سے یاد دلایا۔ عفان مصطفیٰ آفس کی فائل دیکھنے کے ساتھ چلغوزے سے بھی دو دو ہاتھ کر رہا تھا۔ سامنے بلیک مگ کافی سے بھرا ہوا تھا۔ وقفے وقفے سے سپ بھی لیتا جا رہا تھا۔ ہال میں ٹی وی کھلا تھا۔ اس سے ذرا فاصلے پہ سی ڈی پلیئر سنتا تابش پائن ایپل کے ٹکڑے بھی منہ میں ڈال رہا تھا۔ اس سے ذرا فاصلے پر علی نیوز پیپر پڑھنے کے ساتھ چپس سے شغل کر رہا تھا۔ اس سے ذرا فاصلے پر حشام نیٹ پہ بیٹھا کسی کو الو بنانے میں لگا ہوا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ ڈرائی فروٹ سے بھی شغل جاری تھا۔

سب بظاہر ہال کمرے میں ٹی وی دیکھتے سی ڈی سنتے اپنے اپنے کام میں مگن تھے۔ مگر عون کی دہائی بغور سن رہے تھے۔ باری باری سب کے آگے دست سوال پھیلا کر اس نے آخر میں عفان مصطفیٰ سے مدعا بیان کیا۔ جو کمبل پیپروں پہ ڈالے اس پہ فائل رکھے پین انگلیوں میں دبائے مصروف تھا۔ سب کے سکون اطمینان پہ عون نے غضبناک نظروں سے ان چاروں کو گھورا مگر ناچار مسکرانا پڑا۔ ان سے روپے جو نکلوانے تھے۔

"عفی! ان گھٹیا کزنز میں ایک تو ہی تو میرا اچھا کزن ہے۔"

"یاد کرو لاسٹ سے لاسٹ فرائی ڈے کو روپے نہ دینے پہ تم نے مجھے بھی انہی گھٹیا کزنز میں شامل کیا تھا۔" عون کے مکھن لگانے پہ بنا سر اٹھائے عفان مصطفیٰ کافی کا سپ لیتے ہوئے یاد دلا رہا تھا۔

"غصے میں زبان سے نکل گیا ہوگا ورنہ میں ایسا کہہ سکتا ہوں۔" عون گڑبڑا کر بات سنبھال رہا تھا۔

"میں مدد نہیں کر سکتا ڈیئر عون تم پہلے ہی میرے چار ہزار کے مقروض ہو۔ پچھلے دو ماہ سے تمہاری بائیک میں پیٹرول بھی میں ڈلوا رہا ہوں۔"

"عفی کے روپے لوٹاؤ یا نہیں مگر میرے ڈھائی ہزار نکال دو۔" نیٹ پہ بیٹھے حشام نے دھونس سے کہا۔

"میرے تین ہزار باون روپے آٹھ آنے نکلتے ہیں تمہاری طرف۔" چپس انجوائے کرتے علی نے نیوز پیپر سے نظریں اٹھائے بنا اپنے روپوں کا ذکر کیا۔

"اب جب سب اپنے روپوں کا ذکر کر رہے ہیں تو میں بھی یاد دلا دوں میرے سات سو روپے کے مقروض ہو تم۔" سی ڈی پلیئر کا والیم بڑھاتے تابش نے بھی "یاد دلاؤ مہم" میں حصہ لیا۔

"کمینو! اللہ کرے مر جاؤ تم لوگ۔ کتنے گھٹیا کزنز ہیں میرے ایک ذرا سا قرضہ نہیں دے سکتے تم لوگ؟" عون کا غصہ بھڑک اٹھا۔ سب کمال سکون سے اس کے غصے کو انجوائے کر رہے تھے۔

"اک آدھ بار ہو تو اچھا بھی لگتا ہے مگر تم ازلی منگتے ہو۔ ہر دوسرے دن بعد ہاتھ پھیلائے ہم سب کے والٹ کو بری نیت سے دیکھتے ہو۔" علی کی بات پہ سب کے لبوں پہ مسکراہٹ دوڑ گئی۔ عون کینہ توز نظروں سے انہیں گھور رہا تھا۔

"رات سوتے وقت میں تمام روپوں کو خفیہ مقام پہ منتقل کر کے سوتا ہوں۔"

"جانتا ہوں تمہارے والٹ میں سکے بھی نہیں ملتے۔" تابش کی مسکراہٹ پہ وہ جل کر بولا۔

"یعنی کہ تم نے تابش کا والٹ چیک کیا تھا؟" عفان مصطفیٰ شوخ مسکراہٹ کے ساتھ پوچھ رہا تھا۔ اس نے کمال معصومیت سے سر اثبات میں ہلایا۔

"یہ تو بڑی خطرناک بات ہے۔ مجھے بھی اپنے والٹ کے بچاؤ کے بارے میں سوچنا پڑے گا۔" حشام کی پر تشویش آواز نے انہیں قہقہہ لگانے پہ مجبور کر دیا۔ عون غصے سے واک آؤٹ کرنے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ مگر "مجھے آخری بازی لڑنے دو۔" والا حال تھا۔ شاید روپے مل جائیں وہ اسی آس میں بیٹھا رہا۔ عون ایوننگ آرٹ اسکول سے اسکیچز کی کلاس لے رہا تھا۔ آرٹ کی چیزیں اتنی مہنگی تھیں کہ اس کی پوری پاکٹ منی نکل جاتی تھی پھر اسے باری باری ان چاروں کے آگے ہاتھ پھیلانا پڑتا تھا۔

"اچھے بھلے الیکٹریکل انجینئر بن رہے ہو یہ

مکمل ناول

اسکیچز کا شوق کیوں پال لیا؟ چاچو کو خبر ہو گئی کہ پچھلے دنوں تم نے صرف ایک پین بائیس سو کا خریدا ہے تو وہ تمہاری باڈی پہ اتنے اسکیچز لگائیں گے کہ شمار بھی نہ کر سکو گے۔" حشام نے ڈرایا۔ ناراضگی کا تاثر دینے کو وہ چپ بیٹھا رہا تاکہ خفگی محسوس کر کے وہ لوگ روپے دے دیں مگر چالاکی کام نہ آئی۔ تھے تو عم زاد اک اک رنگ سے آشنا تھے۔

"جب سے تو نے آرٹ اسکول جوائن کیا ہے۔ تب سے تیرے "برے دن" شروع ہو گئے ہیں۔ تجھے کس شیطان نے کہا تھا آرٹ کی طرف آنے کو۔ آرٹ میں لگا کر ریٹرن ملتا کیا ہے کچھ نہیں۔ بھوکوں مرتے ہیں آرٹسٹ ان کے فن کا قدر دان نہیں ملتا۔" علی کا انداز ناصحانہ تھا بات حقیقت پہ مبنی تھی مگر شوق کا مول کوئی کب دے سکا ہے۔ سو عون چپ رہا۔

"عون تو اک کام کیوں نہیں کرتا۔" حشام کرسی گھما کر ان کی طرف رخ کر کے بیٹھ گیا۔ سب کے چہرے حشام کی طرف اٹھ گئے۔

"کیا؟" عون لب بھینچے بھینچے چیخا۔

"تو پارٹ ٹائم بھیک مانگنا شروع کیوں نہیں کر دیتا؟"

"اور کیا پارٹ ٹائم بھیک سے تو اتنا کما لے گا کہ تیری آرٹ کی کلاس بھی متاثر نہ ہو گی۔" حشام کی بات کو تابش نے آگے بڑھایا۔

"مر جاؤ تم لوگ۔ دیکھنا وہ دن دور نہیں جب میں "صادقین" کی طرح مشہور ہو جاؤں گا اور تم لوگ میرے آٹوگراف کے لیے آگے پیچھے پھرو گے اور میں تم لوگوں کو پہچانے بنا آگے بڑھ جاؤں گا۔" عون کی برداشت جواب دے گئی۔

"یہ دن دکھانے سے پہلے خدا تجھے اٹھا لے۔" تابش نے دلسوزی سے دعا کی اس سے پہلے کہ عون تابش پہ چھلانگ لگا کر اس کا قیمہ بناتا۔ بے حد مسکراتے ہوئے عفان مصطفیٰ نے ذرا سا ترچھا ہو کر گرے جینز میں گھسے گرے والٹ کو نکالا اور عون کی طرف بڑھایا۔

"جتنے چاہئیں لے لو۔"

"کزن ہو تو تم جیسا۔" عون بے ساختہ اس سے لپٹ گیا۔

"یہ گھڑی گھڑی ہم سے لٹنے کے لیے کوشاں رہتا ہے کہیں اس کے اندر کسی لڑکی کی روح تو نہیں؟" حشام کے تشویشی جملے نے محفل کو اک بار پھر زعفران زار کر دیا۔ عون جارحانہ انداز میں حشام کی طرف بڑھا اور حشام چیخ رہا تھا۔

"دوستو! میری عزت بچاؤ۔" پل بھر میں ہال کا نقشہ بدل گیا۔ چپس، چلغوزے کے چھلکے نیوز پیپر، پین، ڈرائی فروٹ بطور ہتھیار استعمال ہو رہے تھے۔ سی ڈی پلیئر اور ٹی وی کے شور سے ان کی آواز اونچی ہو گئی تھی۔ عون نے پائن ایپل کا خالی ٹن پیک حشام کی طرف روانہ کیا تھا اور ٹن ٹن کی آواز کے ساتھ اس کی پیشانی چوم بیٹھا۔ ابھی وہ جوابی کارروائی کرنے کو پر تول رہا تھا کہ "کیا ہو رہا ہے یہاں؟" کی دبنگ و خشک آواز پہ پانچوں ہی ٹھٹک گئے۔ تابش جو کمبل کے آدھا اندر اور آدھا باہر تھا وہ کمبل کے اندر دبک گیا۔

"میں پوچھتی ہوں یہ گھر ہے یا جمعہ خان کا ڈھابہ۔ بچے ہو تم لوگ، اونٹ جیسے ہو گئے ہو۔" حشام نے اپنی لمبی بگلے جیسی ٹانگوں کو بے ساختہ موڑ لیا۔

"ہر بار خرگوش جیسے کان نکالے میری باتیں سنتے ہو مگر اثر نہیں ہوتا، ہو گا بھی کیسے کان گدھوں کی طرح غائب ہو جاتے ہیں۔" علی نے بے ساختہ عفان مصطفیٰ کے دونوں کان پیچھے سے پکڑ لیے۔ "میرے کان اپنی جگہ موجود ہیں گدھے تم اپنے چیک کرو۔" اس نے جھلا کر ہاتھ ہٹایا۔

دادو موٹی عینک ناک پہ ٹکائے ان کی شان میں زمین آسمان کے قلابے ملا رہی تھیں۔ وہ مسکرا مسکرا کر کارنش بجا لا رہے تھے۔ تابش نے کمبل سر تک اوڑھ کر چہرہ باہر نکال لیا تھا اور اب مسکرا رہا تھا۔ وجہ دادو کے "القابات" نہیں تھے۔ وجہ تو وہ نازک لڑکی تھی جو دادو سے چند قدم پیچھے پریشان کھڑی انہیں دیکھ رہی تھی۔ دادو کی گھن گرج سن کر بڑی تائی، چھوٹی تائی،

چاچی، مما اریج، وردہ، عمامہ، اذی اور دانیہ بھی چلی آئیں دادو کو گرجتے دیکھا تو سب نے لمبی سانس لی۔ یہ تو روز کا معمول تھا۔

"اماں! آپ تو سیما آنٹی کو ایئرپورٹ سی آف کرنے گئی تھیں۔ یہ بچی کون ہے؟" بڑی تائی کی دخل اندازی پہ ان پانچوں نے شکر کا سانس لیا۔ دادو کا غصہ کم نہیں ہوا تھا مگر انہیں ساتھ کھڑی بچی کا احساس ہوا تو رک گئیں۔

"گئی تو میں سیما کو سی آف کرنے ہی تھی۔ یہ لبینہ عباس ہے۔ سیما کی نواسی۔ سیما اسی کے ہاں سعودی عرب جا رہی تھی اور یہ ابھی ہی سعودی عرب سے آئی ہے۔ دونوں نانی نواسی ایک دوسرے کو سرپرائز دینے کے چکروں میں تھیں۔ وہ تو اچھا ہوا دونوں ایئرپورٹ میں مل گئیں۔ لبینہ اگلی فلائیٹ سے اپنی نانو کے ساتھ ہی جانا چاہ رہی تھی مگر میں۔۔ اصرار کر کے ساتھ لے آئی کہ ہمارے پاس رہو۔ وہ نانی نہ سہی میں تو نانی ہوں۔" دادو نے مفصل جواب سے حاضرین کو مستفید کیا۔ سب ہی آگاہ تھے سیما نانو اور دادو میں کتنی گہری دوستی تھی تبھی وہ اپنی نواسی ان کے سپرد کر کے بیٹی اور داماد سے ملنے چلی گئی تھیں۔

"اچھا کیا۔" چھوٹی تائی نے آگے بڑھ کر لبینہ عباس کو گلے لگایا۔ آتے ہی جس قسم کی صورت حال کا سامنا کرنا پڑا اس نے اسے تھوڑا پریشان ضرور کیا تھا مگر اگلے ہی پل سب نے جس خوب صورتی سے اپنا تعارف کرایا اسے اچھا لگا۔ ورنہ اتنی بڑی فیملی کو دیکھ کر ہی وہ گھبرا گئی تھی۔

"برا مت ماننا لبینہ، اماں کو ان کی شوخی زیادہ نہیں بھاتی۔" چھوٹی تائی صفائی دے رہی تھیں۔

"مما! ہمارا ابھی تو تعارف کرائیں۔" دادو ادھر ادھر ہوئیں تو حشام کی زبان میں کھجلی ہوئی۔

"لبینہ نے آتے ہی تم لوگوں کی خاطرداری دیکھ لی" اذی شوخی سے ہنسی۔ تائی نے ان پانچوں کا تعارف کرایا۔

"تم فریش ہو جاؤ، وردہ بیٹا لبینہ کو اپنے کمرے میں لے جاؤ۔" چھوٹی تائی گویا ہوئیں تو لبینہ کے ساتھ لڑکیاں بھی اٹھ گئیں۔ "ہال کی حالت ٹھیک نہیں کی ابھی تک؟" دادو کا رخ پھر اسی طرف ہو گیا۔

"اماں! بچیاں صاف کر دیں گی ہال۔" چاچی نے انہیں ٹالنا چاہا۔

"تم لوگوں کی انہی باتوں نے ان لڑکوں کو بگاڑا ہے۔ جب دیکھو ہنسی ٹھٹھول۔ "سحر ولا" کبھی سکون کی نگری کہلاتا تھا مگر لوگوں کے سبز قدم نے "سحر ولا" کو گہن لگا دیا۔" دادو کی نظروں کا ہدف مما تھیں جو کمال سکون سے اک کونے میں کھڑی تھیں۔ باقی سب کو دادو کی بے وجہ کی راگنی پہ ہمیشہ کی طرح کوفت ہوئی۔ اب دادو کا رخ ان چاروں کی طرف تھا۔

"تم چاروں بھی شریف ہوا کرتے تھے۔ مگر برے لوگوں کی صحبت میں رنگ گئے۔ برا خون اثر تو دکھائے گا ہی۔ ماں نے مجھ سے میرا بیٹا چھین لیا اور بیٹا میرے گھر کا سکون درہم برہم کر رہا ہے۔" اب دادو کی توپوں کی زد میں عفان مصطفیٰ تھا۔ جو سر جھکائے دادو کو سن رہا تھا۔ دادو چلی گئیں۔ سب ہمیشہ کی طرح افسوس کرنے لگے عفان مصطفیٰ کی نظریں مما کی طرف اٹھیں وہ بے تاثر چہرہ لیے کھڑی تھیں۔ وہ باہر نکل گیا۔

✻ ✻ ✻

"آئیں لبینہ۔" لڑکیوں کی معیت میں اس نے بڑے سے کمرے میں قدم رکھا۔ کمرے کے تین کونوں میں ڈبل بیڈ تھے۔ اک کارنر میں وارڈروب اور اس سے ذرا فاصلے پر ڈریسنگ ٹیبل تھی۔

"آپ سب اسی کمرے میں ساتھ رہتی ہیں؟" ہینڈ بیگ سائیڈ پہ ڈالتے اس نے طائرانہ نگاہ ڈالی۔

"ہوں، کمرے تو کئی ہیں مگر ہمیں ساتھ رہنے کی عادت سی ہے۔ اب تو آپ رہیں گی۔ خود دیکھ لیجیے گا۔" اریج واش روم میں تولیہ رکھ کر واپس آئی تو جواب دیا۔

"فی الحال آپ ہمارا واش روم اور بیڈ روم استعمال کیجیے۔ تھوڑی دیر بعد آپ کے لیے کمرہ تیار کر دیا

جائے گا۔" دانیہ نے بااخلاق میزبان کی طرح اچھی سروس کی یقین دہانی کرائی۔

"اور اگر میں کہوں کہ اس کی کوئی ضرورت نہیں، میں تم لوگوں کے ساتھ یہ بیڈ روم شیئر کرنا چاہوں گی تو..... "انہیں خوشگوار حیرت ہوئی۔

"اس سے زیادہ خوشی کی بات کیا ہو گی۔" عمامہ نے بے ساختہ مسرت کا اظہار کیا۔ باقی سب نے تائیدی انداز میں سرہلایا۔

"ہو سکتا ہے پہلی ملاقات میں اتنا بے تکلف انداز تم لوگوں کو برا لگ رہا ہو مگر میں اپنی نیچر کے ہاتھوں مجبور ہوں۔ مجھ سے پکی دوستی کرنی ہے تو یہ آپ، جناب کو ایک سائیڈ رکھنا ہو گا۔ مہمانوں جیسا ٹریٹ نہیں کرو گے تو مجھے اچھا لگے گا۔ روایتی مہمان بننا مجھے پسند نہیں ہے۔" وہ پوری سچائی سے گویا تھی۔

"واہ لینہ جی آپ تو اپنی ہی قبیل کی نکلیں۔ ورنہ جب تم دادو کے ساتھ کھڑی عجیب عجیب سی شکلیں بنا رہی تھیں تو مجھے خاصی پراؤڈ لگی تھیں۔ روایتی مہمانوں سے تو خود ہماری جان جاتی ہے۔" وہ بے ساختہ مسکرادی۔

"دراصل آتے ہی جس قسم کی صورتحال کا سامنا کرنا پڑا اس پہ کافی گھبرا گئی تھی۔"

"اب رہو گی تو عادی ہو جاؤ گی۔" اذی کمال اطمینان سے گویا تھی۔

"یعنی کہ ایسے حادثات ہوتے رہتے ہیں؟" انداز محظوظ کن تھا۔ جس طرح دادو ان پہ برس رہی تھیں اور وہ پانچوں شان بے نیازی دکھا رہے تھے یہ دیکھ کر اسے مزا آیا تھا۔

"اکثر و بیشتر بلکہ یوں کہنا چاہیے چوبیس گھنٹے۔ انہیں دادو کو تنگ کیے بغیر چین نہیں آتا اور دادو کو بولے بنا۔"

"وہ صرف شرارتیں کرتے ہیں۔ جبکہ دادو زیادتی کر گزرتی ہیں خاص طور پر عفان اور چھوٹی چاچی تو چڑتی ہیں ان کی۔" دانیہ نے وردہ کی بات اچک لی انداز کسی قدر ناگواری لیے ہوئے تھا۔ تھوڑی دیر پہلے آئی مہمان کے سامنے گھر کے راز شیئر کرنے پہ اریج، دانیہ کی بیوقوفی پہ گھورنے لگی۔

"لینہ باتیں تو ہوتی ہی رہیں گی تم فریش ہو جاؤ تب تک ہم کھانا لگالیں، چلو عمامہ کچن میں۔" ذمہ داری کا ثبوت دیتے اذی نے ازلی کام چور عمامہ کو اشارہ کیا جو بیڈ پہ بیٹھی تھی۔

"تم چاروں ہو نہ کچن میں جانے کے لئے۔ میں لینہ کے پاس رکتی ہوں ورنہ کیا کہے گی یہ کیسے میزبان ہیں مہمان کو اکیلا چھوڑ دیا۔ ذرا تمیز نہیں ہے۔" عمامہ کی چالاکی پہ لینہ عباس کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔ وہ چاروں اسے گھورتی چلی گئی تھیں۔ لینہ عباس کو یہ گھر جادو کا محل لگ رہا تھا جس کا ایک ایک مکین ساحر تھا۔

"دانیہ کو لینہ کے سامنے یہ سب نہیں کہنا چاہیے تھا۔" وردہ گویا تھی۔ "دانیہ کے کہنے نہ کہنے سے کیا فرق پڑتا ہے۔ لینہ نے واقف تو ہو ہی جانا ہے۔ دادو کب کسی آئے گئے کا لحاظ کرتی ہیں۔" اذی جل کے بولی۔

✡ ✡ ✡

"علی! میری وہائٹ شرٹ تم نے لی تھی نا کہاں ہے وہ؟" تھوڑی دیر پہلے وہ آیا تھا اور اب صبح کے لیے اپنے کپڑے نکال رہا تھا۔ وارڈ روب کھلنے کی دیر تھی کپڑوں کے گولے کارپٹ پہ لڑھک آئے۔ عفان مصطفیٰ نے جھلا کر دونوں ہاتھوں میں گولے اٹھائے اور وارڈ روب کے خانے میں دے مارے مگر گولوں کو اتنی عزت افزائی پسند نہ آئی۔ وہ شوخی پہ تلے بیٹھے تھے۔ قدموں پہ گرے گولوں کو اس نے اک کک لگائی۔ جینز، شرٹ، ٹائی بکھر گئے۔

"واشنگ مشین میں پڑی ہو گی۔" بیڈ پہ لیٹے علی نے شرٹ کی گمشدگی پہ مطلع کیا۔

"وہاں کیا کر رہی ہے؟" کتنی دیر سے وہ اسی شرٹ کے لیے وارڈ روب کھنگال رہا تھا۔

"بے چاری گندی ہو گئی ہے۔" جواب سابقہ انداز میں موصول ہوا۔

"تم پہلے نہیں پھوٹ سکتے تھے، آدھے گھنٹے سے اسے تلاش کر رہا ہوں۔"

"تم نے پہلے کب پوچھا؟"

"شٹ اپ جان سے ماردوں گا تمہیں۔ مجھے صبح کے لیے وہائٹ شرٹ چاہیے۔" وہ جھلایا "حسام نے کچھ دنوں پہلے ہی وہائٹ شرٹ سلوائی ہے نا اس سے لے لو۔" ان کی گفتگو بغور سنتے تابش نے مشورہ دیا۔

"نچلے خانے میں ہو گی۔" واش روم سے برآمد ہوتے حسام نے شرٹ کی موجودگی کی جگہ بتائی۔ وہ سر ہلا کر دوسرے وارڈ روب کی طرف بڑھ گیا۔

"عفی! صبح کے لیے اپنے کپڑے پریس کرو تو میرے بھی کر دینا۔" شیٹ اور پنسل میں گم عون نے سر اٹھا کر لاڈ دیانہ لہجے میں کہا۔

"میں اپنے کپڑے تم سے ہی پریس کروانے والا ہوں۔"

"جہنم میں جاؤ۔" عون ہاتھ جھاڑ کر پھر سے اسکیچ بنانے میں مصروف ہو گیا۔ پھر اس نے شیٹ کا رخ ان کی طرف کیا۔

"یارو! دیکھنا ذرا اس کی ناک ٹیڑھی تو نہیں لگ رہی ہے؟" عون اسکیچ کو تنقیدی نظروں سے دیکھتے استفسار کر رہا تھا۔ سب ہی اسکیچ کو بغور دیکھ رہے تھے۔

"صرف ناک مجھے تو پورا چہرہ ٹیڑھا لگ رہا ہے۔" عفان مصطفیٰ نے وارڈ روب سے ذرا کی ذرا نظر ہٹا کر دیکھا۔ کمنٹ دیتے سر واپس وارڈ روب میں گھسا لیا۔ وہائٹ شرٹ مل کے نہیں دے رہی تھی۔ کسی کی کوئی چیز جگہ پہ مل سکتی تھی۔ ناممکن۔

"ناک تو واقعی ٹیڑھی ہے کیا انگلیوں میں رعشہ آیا ہے۔" تابش اسکیچ پہ جھک آیا۔ محنت سے بنائے اسکیچ کے عبرتناک کمنٹ پہ عون غصے میں آگیا۔

"دفع ہو جاؤ تم لوگ۔ بندر کیا جانے ادرک کا سواد۔" انداز استہزائیہ تھا۔

"ہمیں بندر کہنے والے مت بھول تو ہمارا عم زاد ہے۔" حسام نے یاد دلایا۔

"بندر کے گھر شیطان کا جنم تو ہونا ہی ہے مگر شیطان کے گھر میں ولی بھی ہو سکتا ہے۔" عون نے دفاع کیا۔

"ہمیں شیطان کہنے والا اب تک صحیح سالم ہے۔ لعنت ہے تم لوگوں پر ابھی تک اسے زدو کوب نہیں کیا۔" غیرت جگاتا وہ بیچ والا پٹ کھولے کھڑا تھا۔

"یارو! میں معافی چاہتا ہوں۔" ان کے جارحانہ تیور ملاحظہ فرما کر عون نے جھٹ سیاستدانوں کی طرح رنگ بدل کر ہاتھ جوڑ دیے مگر عوام بپھر گئی تھی۔

"لڑکو! کیا ہو رہا ہے؟" دادو کی پاٹ دار آواز پہ سب اپنی اپنی جگہ ساکت رہ گئے۔ وہ سب ان کے "تکیہ کلام" "کیا ہو رہا ہے؟" سے بھی بدکتے تھے۔ سب اپنی جگہ خفیف ہو گئے۔ دادو چھاپے مارنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتی تھیں۔ اکثر و بیشتر وہ رنگے ہاتھوں ہی پکڑے جاتے تھے۔

"اثر نہیں ہوتا تم لوگوں پہ میری بات کا جب دیکھو لڑتے مرتے رہتے ہو۔ قصور تم لوگوں کا نہیں ہے۔ تمہاری ماؤں نے تم لوگوں کی صحیح تربیت نہیں کی۔ بھر پائی میں ایسی زندگی سے نہ بہوئیں اچھی ملیں نہ پوتے پوتیاں۔" ان کے عتاب کی زد میں سب آجاتے تھے۔ سب جانتے تھے سب کا ذکر تمہید باندھنے کے لیے استعمال ہوتا تھا اصل میں تو ان کا ٹارگٹ کوئی اور ہوتا تھا۔

"عبید کو دیکھا ہے نا تم لوگوں نے ماشاء اللہ کتنا نیک صالح بچہ ہے۔ میرا غرور ہے میرا نواسہ۔ جبکہ تم لوگ ....." عفان نے زوردار آواز سے پٹ بند کر کے تیسرا پٹ کھول لیا۔

"یہ کپڑے کارپٹ پہ پڑے رہیں گے، سلیقہ طریقہ ہے ذرا تم میں؟" دادو کی توپ کا رخ عفان مصطفیٰ کی طرف ہو گیا۔ جو ان کی طرف پشت کیے وارڈ روب میں جھانک رہا تھا بے نیازی کے عظیم مظاہرے پہ دادو بھڑک اٹھیں۔ اس کا پرسکون انداز انہیں مشتعل کر دیتا تھا۔

"جاہل، جنگلی ذرا تمیز نہیں کہ بڑوں کے آگے پیٹھ کر کے کھڑے نہیں ہوتے۔ مگر ماں نے کچھ سکھایا ہو تب نا۔ کان کھول کر سن لو تم سب لینہ کے ساتھ فری

ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اور تم پر تو مجھے ذرا بھروسہ نہیں۔" سنسناتے تیر عفان مصطفیٰ کے جگر کے آرپار ہو گئے۔ وہائٹ شرٹ مل گئی۔ پٹ بند کر کے اس نے رخ ان کی طرف کیا۔ سب نے ضبط سے سرخ پڑتے چہرے پہ نظر ڈال کر تاسف سے سر جھکا لیا۔ دادو زہر پھونک کر جا چکی تھیں۔ "کھانا لگ گیا ہے۔" اذی پیغام لے کر حاضر تھی۔ سب باہر نکل گئے۔ رات کے کھانے پہ بڑے تایا، چھوٹے تایا اور چاچو بھی ہوتے تھے۔

☼ ☼ ☼

وِل ڈیکوریٹڈ بڑے سے ڈائننگ ہال میں مختلف سائز کے تین ڈائننگ میز لگے تھے۔ سب سے بڑی میز پہ دادو تایا، تائی وغیرہ تھیں۔ دوسری میز پہ لڑکوں کا قبضہ تھا اور تیسری لڑکیوں کے لیے تھی۔ وہ عمامہ کے ساتھ آئی تو دادو نے تایا وغیرہ سے تفصیلاً" تعارف کرایا۔ سب نے محبت سے خوش آمدید کہا۔ وہ لڑکیوں والی میز کی طرف بڑھ گئی جو لڑکوں کے تقریباً" ساتھ تھی۔ جب تک تمام ممبر جمع نہیں ہوئے تب تک کسی نے کھانا شروع نہیں کیا۔

"اسلام علیکم۔" اک نووارد داخل ہوا۔

"ارے میرا بچہ!" دادو کا چہکنا اور لڑکوں، لڑکیوں کا بگڑنا اس نے ملاحظہ کیا۔ خاص طور پر عفان مصطفیٰ کی تیوری پہ کئی بل پڑ گئے۔

"ٹھیک ٹائم پہ پہنچا ہوں۔" نووارد دادو کے ساتھ والی کرسی پہ بیٹھ چکا تھا۔

"ازلی بھوکا۔" تابش نے دانت پیسے۔ "یہ عبید ہے ہماری اکلوتی پھپھو کا اکلوتا چشم و چراغ۔ دادو کی آنکھوں کا نور۔ ان کی تمام نادیدہ خوبیوں کی معترف ہیں۔ جو ہمیں ڈھونڈے سے نہیں ملتیں۔ ہم تمام کزنز کی متفقہ رائے ہے کہ دادو کو سب سے زیادہ عبید سے محبت ہے اور ہم کو اس سے اتنی ہی چڑ ہے۔" وردہ آہستگی سے اس کے گوش گزار کر رہی تھی۔ لینہ عباس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا وہ دلچسپی سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ کھانے کے بعد سب ٹی وی لاؤنج میں چلے آئے تھے۔ چائے، کافی، ٹرے میں لیے اذی اور عمامہ سب کو سرو کر رہی تھیں۔ عفان فون کی بیل پہ اٹھ کر گیا تھا۔ واپس آیا تو اذی کے ہاتھ میں موجود ٹرے سے کافی سے بھرا مگ اٹھا کر حشام کے ساتھ کشن پہ دھنس گیا۔ تمام بڑے صوفے پہ براجمان تھے جبکہ ینگ جنریشن نیچے کشن پہ۔ اس گھر کے طور طریقے اسے اٹریکٹ کر رہے تھے۔ عبید دادو کے پہلو میں گھسا چائے پی رہا تھا۔ دادو یقیناً" اسے لینہ عباس کے متعلق بتا رہی تھیں۔ اس کی نظریں ہنوز اسی پر مرکوز تھیں۔

"عفی! تم نے تمام فائلز دیکھ لیں؟" چھوٹے تایا نے تابش سے مصروف گفتگو عفان مصطفیٰ کو مخاطب کیا۔

"جی تاؤ جی تمام فائلز میں نے دیکھ لی ہیں۔ رحمان گروپ کی کوٹیشن امپریسو ہے مگر ان کی آفر پرائس خاصی زیادہ ہیں۔ شاہ سنز کی پرانسس آفر نارمل ہے مگر کوالٹی پہ ہمارا ان سے کمپرومائز ہوتا نظر نہیں آتا ہے۔ ان تمام فائلز میں سعد کمپنیز کی کوٹیشن اٹریکٹو اور سب سے اچھی بات یہ ہمیں آف سیزن پرائس کر رہے ہیں۔ آئے تو سعد کمپنیز کی ریپوٹیشن پچھلے ماہ سے ڈاؤن ہو رہی ہے مگر ماضی میں اس نے خود منوایا ہے۔ بزنس میں اپ اینڈ ڈاؤن تو آتے رہتے ہیں۔ اٹس آپارٹ آف بزنس۔ ان کی موجودہ کنڈیشن کو فراموش کر کے ہم ان کا پرپوزل ایکسیپٹ کریں اس کے کئی فائدے ہیں اک تو یہ ہمیں آف سیزن پرائس آفر کر رہے ہیں۔ دوسرے ہماری ریپوٹیشن کے باعث ان کا بزنس ڈوبنے سے بچ جائے گا اور ہماری اس مہربانی کے بدلے سعد کمپنیز ہمیشہ ہمیں یاد رکھے گا۔" عفان مصطفیٰ کی مدلل گفتگو نے بڑے، چھوٹے تایا اور چاچو کو سعد کمپنیز کے بارے میں سوچنے پہ مجبور کر دیا۔ تمام کزنز کی سراہتی نظریں عفان مصطفیٰ پہ اٹھی ہوئی تھیں۔ دادو اور عبید کبیدہ نگاہوں سے اسے دیکھ رہے تھے۔ اس کی ذہانت انہیں بے حد کھٹکتی تھی۔ وہ انہیں سعد کمپنیز کے دیگر پوائنٹ

باخبر کر رہا تھا۔ اس نے اس انداز میں بات کی تھی کہ بڑے سوچنے پہ مجبور ہو گئے تھے۔

"میرا خیال ہے عفی کی بات مان کر سعد کمپنیز سے میٹنگ کر لیتے ہیں۔ ہمارا عفی یونہی تو کسی کی فیور نہیں کرتا۔ اس کی منیجمنٹ ہمیشہ فائدہ مند ثابت ہوتی ہے۔" چاچو نے ستائشی نظروں اسے دیکھا۔ وہ مسکرا دیا۔ لینہ عباس نے عفان مصطفیٰ کو بغور دیکھا براؤن مگ لبوں سے لگائے سپ لے کر اس نے علی کی کسی بات پہ مسکراتے ہوئے اس کے شانے پہ مکا رسید کیا تھا۔

"لینہ آپ پہلی بار پاکستان آئی ہیں۔" چھوٹے تایا نے موضوع تبدیل کیا۔

"پہلے بھی کئی بار آ چکی ہوں۔"

"مجھے یقین ہے کہ لینہ ہمارے یہ شیطان بچے تمہیں بور نہیں ہونے دیں گے۔ تم ان کی کمپنی انجوائے کرو گی۔ بچوں لینہ کا موڈ ہو تو پکنک وغیرہ ارینج کر لو۔"

"یس سر۔" بڑے تایا اٹھتے ہوئے گویا ہوئے تو سب نے مسرت سے نعرہ لگایا۔ پھر وقفے وقفے سے سب ہی اٹھ گئے۔ اب صرف ینگ جنریشن اور دادو اور عبید رہ گئے تھے۔

"عبید کل تم کیا کر رہے ہو؟" دادو پوچھ رہی تھیں۔

"کچھ بھی نہیں۔" باچھیں چیر کر جواب دیا گیا۔

"لینہ کو کراچی دکھانے کی ذمہ داری تمہاری۔"

"سر آنکھوں پہ۔" سب کے منہ کے زاویے بری طرح بگڑ گئے۔

"لینہ تم کل تیار رہنا عبید تمہیں لینے آ جائے گا۔" کسی کو خاطر میں لائے بنا دادو اٹھ گئیں۔

"دادو کراچی تو میں نے پہلے ہی دیکھ رکھا ہے۔ باہر کسی پوائنٹ پہ انجوائے کرنے سے زیادہ تو مجھے گھر میں مزا آ رہا ہے۔ اتنی بڑی فیملی کے ساتھ رہنے کا مجھے پہلی بار موقع ملا ہے۔ رہی پکنک وغیرہ کی بات تو اگر یہ سب ساتھ ہوں گے تب چلوں گی۔ اکیلے کہاں مزا آتا ہے۔" لینہ کے مفصل جواب پہ ان سب کے چہرے کھل گئے عفان مصطفیٰ نے پہلی بار بھرپور نظروں سے اسے دیکھا۔ جہاں عبید کا منہ بن گیا تھا۔ وہیں دادو کو بھی اس کا جواب نہیں بھایا تھا۔ مگر عزیز سہیلی کی نواسی کو انکار کیسے کرتیں لہٰذا" جیسے تمہاری خوشی" کہہ کر موضوع بدل دیا۔

"بارہ بج رہے ہیں سونا ہے یا صبح کے بارہ بجے تک بستر توڑو گے؟" دادو کی غصیلی نظریں عفان مصطفیٰ پر تھیں۔

"دادو آپ بھول رہی ہیں ہم سب اسٹوڈنٹ ہیں صبح سب کو کالج، یونیورسٹی اور آفس بھاگنا ہوتا ہے۔ بستر تو بے کار لوگ توڑتے ہیں" عون کے تاک کر حملہ کرنے پر سب کے لب مسکرا دیے اور عبید جلبلا گیا۔

"پڑھا میں نے بھی ہے۔"

"واری جاؤں آپ کی پڑھائی پہ۔ آپ کو تو پڑھنے کا خیال بڑھاپے میں آیا اور چار سال سے انٹر میں مسلسل فیل ہو رہے ہیں۔" عون نے پہلے جملے کے بعد آواز آہستہ کر لی۔ سب سے ہنسی روکنی مشکل ہو گئی۔ "عبید نے زیادہ نہیں پڑھا تو کیا ہوا۔ شرافت و کردار میں اوروں سے کہیں زیادہ ہے۔ تم لوگوں کی طرح ہر وقت ہنسی مذاق میں وقت نہیں گنواتا۔" اشارہ کس طرف تھا سب جانتے تھے وہ استہزائیہ مسکراہٹ سجائے سائیڈ پر رکھا نیوز پیپر اٹھا کر باہر نکلنے لگا۔ جس پہ دادو عبید کو لے کر واک آؤٹ کر گئیں۔

"میرے یہاں بیٹھنے پر غالباً" دادو کو اعتراض ہے۔ ناراض نہ ہو گئی ہوں۔" وہ اس صورت حال کی مجرم خود کو سمجھنے لگی۔

"یہ روز کا معمول ہے اور بے فکر رہو ہمارے علاوہ دادو کسی سے ناراض نہیں ہوتیں۔" اریج نے یقین دلایا۔ وہ پوچھنا چاہتی تھی کیوں؟ مگر مہمان تھی سو چپ رہ گئی۔

"دادو ان لوگوں میں سے ہیں جنہیں بہو، پوتے، پوتی میں کیڑے نظر آتے ہیں اور جن کی نظر میں بیٹی، داماد اور نواسے، نواسیاں تمام خوبیوں سے آراستہ ہوتے ہیں۔" وردہ نے کسی حد تک اس کی تسلی و تشفی

کی کوشش کی۔

"فار گیٹ اٹ یار۔ سوری لینہ ہم نے اب تک آپ کو نظر انداز کیا۔ اس کی بڑی وجہ دادو ہیں۔ انہوں نے خاص طور پر منع کیا کہ ہم آپ سے دور رہیں۔ سو اگر ہم کبھی آپ کو نظر انداز کریں تو دل پہ مت لیجیے گا۔ ہم سب کو آپ کی آمد پہ بے حد خوشی ہے۔ دس ممبروں پر مشتمل ہمارا گروپ ہے جس میں آپ گیارہویں ہیں ہم آپ کو اپنے گروپ میں ویلکم کہتے ہیں۔ جوائن کریں گی ہمیں؟" منہ پھٹ سے تابش نے سب گوش گزار کر دیا۔ اس کی صاف گوئی پہ اس نے مسکرا کر سر اثبات میں ہلایا۔

"شیور۔" اسے یہ صاف کھلے دل کے لوگ پہلی ہی نظر میں اچھے لگے تھے۔

"تو چلیں پہلے تعارف ہو جائے۔" حشام سیدھا ہو گیا۔

"وردہ ہماری سب میں سگھڑ کزن ہے۔ اچھا کھانا کھانا ہو تو پہلی فرصت میں ان سے کانٹیکٹ کیا جا سکتا ہے۔ گریجویشن کے بعد تعلیم کو خیرباد کہہ دیا ہے۔ اریج کسی حد تک وردہ جیسی ہی سمجھدار ہے یہ آنرز کر رہی ہے۔ عمامہ ہماری ازلی کام چور کزن ہے اذی لڑنے میں ماہر ہے۔ یہ دونوں پولیٹکل سائنس میں ماسٹرز کر رہی ہیں۔ محترمہ دانیہ صاحبہ کامرس میں گریجویشن کر رہی تھیں۔ خاصی پڑھاکو واقع ہوئی ہیں۔ ہر بار پوزیشن بنتے بنتے رہ جاتی ہے۔"

لڑکوں کی طرف سے حشام نے لڑکیوں کا تعارف کرایا۔ لڑکیوں کی طرف سے اذی آگے آئی۔

"لینہ یہ مسٹر عون الیکٹریکل انجینئر کے لاسٹ ایئر میں ہیں اور آرٹ سے لگاؤ کے باعث ایوننگ آرٹ اسکول جوائن کر رکھا ہے۔ آج کل ان کے حال بڑے فقیرانہ ہو رہے ہیں۔ ان کے دائیں طرف جو براجمان ہیں یہ علی ہیں ڈیلی انگلش نیوز پیپر کے کرائم رپورٹر ہیں آج کل آفیشل لیو پر ہیں سو ان کا چہرہ مبارک نظر آ رہا ہے۔ ورنہ ہم ان سے چھٹی کے دن بھی نہیں مل پاتے ہیں اور ان کے پہلو میں براجمان یہ تابش صاحب ہیں بی ای کیا ہے اور آج کل پپا کے آفس میں پائے جاتے ہیں۔ راز کی بات ہے پپا کے ڈر سے جاتے ہیں۔ پیر جھلاتے ہوئے یہ حشام ہیں ایم ایس سی کر رہے ہیں بوٹنی میں ہمارا خوب صورت لان انہی کے مرہون منت ہے اور یہ ہیں ہمارے سب میں جینئس کزن عفان مصطفیٰ ایم بی اے کے لاسٹ سمسٹر میں ہیں۔ شروع سے ہی فیملی بزنس میں انٹرسٹ لینا شروع کر دیا تھا۔ صبح یونیورسٹی جاتے ہیں اور وہیں سے ڈائریکٹ آفس چلے جاتے ہیں۔ خاصے ہارڈ ورکر ہیں۔ فیملی بزنس میں ان کا خاصا کنٹری بیوشن ہوتا ہے۔ بڑے تایا، چھوٹے تایا اور چاچو کے لیگل ایڈوائزر کے فرائض بھی انجام دیتے ہیں۔" اذی نے دلچسپ انداز میں تعارف کرایا۔

"تالیاں۔" عون کے نعرہ پہ سب نے تالیاں بجا دیں۔

"ایسے کراتے ہیں تعارف۔ تمہاری طرح سوکھے سڑے انداز میں نہیں۔" وردہ نے حشام کو چڑایا۔

"تعارف کے لیے پرسنالٹی کا دلچسپ ہونا ضروری ہے۔" علی نے جواباً کہا۔

"اپنے بارے میں کچھ بتائیں۔" عون نے دلچسپی ظاہر کی۔

"اپنے پیرنٹس کی اکلوتی اولاد ہوں۔ بہن بھائی کی کمی دوست بنا کر پوری کرتی ہوں۔ کمپیوٹر میں بیچلر کیا ہے۔ چھٹیاں تھیں تو نانو سے ملنے پاکستان چلی آئی۔ قسمت نے آپ کے در تک لانا تھا۔ مجھے بے حد مزا آ رہا ہے آپ لوگوں کے درمیان رہ کر۔" وہ پوری سچائی سے گویا تھی۔ کافی دیر وہ ان سب کی کمپنی انجوائے کرتی رہی۔ جس میں عفان مصطفیٰ کسی قدر خاموش تھا۔

☼ ☼ ☼

"سحر ولا۔" میں بلا شرکت غیرے دادو کی حکمرانی تھی۔ ان کے چار بیٹے اور ایک بیٹی تھی۔ بیٹی چھوٹی ہونے کے باعث دادو کی بے حد لاڈلی تھی۔ بڑے تایا، چھوٹے تایا، چاچو یہاں تک کہ بیٹی تک کی شادی دادو نے اپنی پسند سے کرائی تھی۔ سب جانتے تھے کہ دادو جس قدر محبت کرتی ہیں اسی قدر استحقاق بھی رکھتی ہیں انہیں اپنے حکم سے سرتابی کرنے والے ذرا پسند نہیں تھے من مانی کرنے والے کبھی نہیں بھاتے تینوں بہوؤں کے انتخاب کے بعد دادو نے جب سب سے چھوٹے اور عزیز تر بیٹے مصطفیٰ کے لیے لڑکی پسند کر کے انہیں اطلاع دی تو وہ بھڑ گئے۔ ان کا ایک ہی جواب تھا وہ راحمہ کے علاوہ کسی اور سے شادی نہیں کریں گے اگر دادو نے ان پہ زور ڈالا تو وہ ہمیشہ کے لیے روپوش ہو جائیں گے۔ بچپن سے آج تک ان کی بات آنکھ بند کر کے ہامی بھرنے والے پپا، مما کے لیے اڑ گئے تو دادو کو شکست کا احساس ہوا۔ ایک عورت کی چند دنوں کی محبت پہ ایک فرمانبردار بیٹا ماں کے فیصلے سے انحراف کر رہا تھا۔ پپا نے تو انہیں منا کر دم لیا مگر وہ روز اول سے ہی راحمہ کو ناپسندیدگی کی سند جاری کر چکی تھیں۔ راحمہ چچی نے دادو کی انا پہ پاؤں رکھ دیا تھا سو ان کا دل جیتنے کی ساری کوشش رائیگاں گئی۔ دادو نے پپا کی ضد پوری کر دی تھی۔ ان کی پہلی اور آخری خواہش جان کر مما کو بیاہ لائی تھیں مگر نہ ہی انہوں نے پپا کو معاف کیا نہ مما کو قبول کیا۔ عفان مصطفیٰ کی پیدائش عمل میں آئی اور پپا کا عالم بالا سے بلاوا آ گیا۔ مما تو پہلے ہی ان کی جلی کٹی کی زد میں رہتی تھیں اب وہ دادو کو اپنے بیٹے کی قاتل لگنے لگیں۔ مما کی زندگی پپا کے ساتھ ہی ختم ہو گئی تھی۔ وہ زندہ تو تھیں مگر مردوں سے بدتر۔ خوشی، غمی کوئی احساس ان میں زندگی کی رمق نہیں جگاتا تھا۔ وہ زندگی کو نہیں زندگی انہیں گزار رہی تھی بڑے تایا کے چار بچے تھے۔ حشام، عمامہ اور علی، چھوٹے تایا کے لخت جگروں میں عون، اذی اور دانیہ تھے۔ اریج اور تابش چھوٹے چاچو کی اولاد تھے جبکہ عفان مصطفیٰ اکلوتا تھا۔ دادو کو جہاں لینہ سے بیر تھا وہیں عفان مصطفیٰ انہیں خار کی طرح کھٹکتا تھا۔

☼ ☼ ☼

لینہ عباس کو آئے ایک ہفتہ ہو گیا تھا۔ سب ہی اس کا خیال رکھتے تھے۔ بڑی تائی نے لڑکیوں کے سوٹ سلوائے تو دو سوٹ اس کے بھی سلوا دیے وہ نہ نہ کرتی رہ گئی۔ مگر ان کی پرزور محبت نے گھٹنے ٹیکنے پہ مجبور کر دیا۔ دادو کے پاس بیٹھتی تو ان کا موڈ خوشگوار رہتا۔ مگر جہاں وہ لڑکوں خصوصاً عفان کے آس پاس بھی ہوتی تو دادو کا منہ بگڑ جاتا۔ ایسا کیوں تھا؟ وہ جاننے سے قاصر تھی۔ کل شام ہی تو چاچی مما کو زبردستی ان کے کمرے سے نکال لائی تھیں۔ مما کو دیکھتے ہی جس طرح دادو نے طنز کے تیروں کا رخ مما کی طرف کر دیا اس پہ اسے حیرت ہوئی۔ مما کمال سکون سے بیٹھی رہیں جیسے دادو انہیں نہیں کسی اور کو سنا رہی ہوں۔ سب ہی دبے لفظوں میں دادو سے چپ ہونے کی استدعا کر رہے تھے مگر دادو کب کسی کی سنتی تھیں۔ لینہ کو راحمہ چچی کی برداشت پہ رشک کے ساتھ حیرت ہوئی۔ وہ اسے ایک بے حس مورتی لگی تھیں۔ جبکہ یہ سب دیکھتا عفان مصطفیٰ جس طرح جھٹکے سے اٹھ کر گیا وہ بھی توجہ طلب تھا۔ تنہائی میں اس نے بڑی تائی سے استفسار کیا تو بڑی تائی گویا ہوئیں۔

"مصطفیٰ اور راحمہ کی لو میرج ہے۔ اس شادی سے دونوں گھرانے ناخوش تھے۔ خصوصاً اماں سخت خلاف تھیں مگر مصطفیٰ نے پہلی اور آخری خواہش کہہ کر ضد منوا لی۔ اماں راحمہ کو بیاہ لائیں مگر کبھی قبول نہ کیا۔ عفان سال بھر کا تھا تو مصطفیٰ کا انتقال ہو گیا۔ راحمہ تو پہلے ہی ناپسندیدہ ہو تھی۔ اب اس کا وجود ہی کھٹکنے لگا۔ وہ راحمہ کو بیٹے کا قاتل گردانتی ہیں۔ ہم نے انہیں سمجھانے کی اپنی سی کوشش کی۔ اماں نہ مانیں تو ہم نے راحمہ کی شادی کر دینی چاہی کہ میکے میں اس کا کوئی آسرا نہیں تھا مگر اماں اور راحمہ دونوں نے اس شادی کی مخالفت کی۔ راحمہ، مصطفیٰ کی بیوہ بن کر ہی زندگی گزارنے کی خواہاں تھی اور نفرت کے باوجود اماں نہیں چاہتی تھیں کہ ان کے بیٹے کی بیوہ دوسرا نکاح کرے۔ ہم سب کو راحمہ کا احساس تھا مگر راحمہ تب سے آج تک مصطفیٰ کا سوگ منا رہی ہے۔ عفان شروع سے اس کی لاتعلقی کی نذر ہو گیا ہے۔ اماں کے

عتاب کا نشانہ اکثر بنتا ہے۔ ہم نے اسے اپنے بچوں سے کم اہمیت نہیں دی مگر ہم جتنی محبت کریں کوئی ماں، باپ کا نعم البدل نہیں ہو سکتا۔" حقیقت جان کر وہ کتنی ہی دیر چپ رہ گئی تھی۔ آج تک اس کی نظروں سے راحمہ چچی جیسا کردار نہیں گزرا تھا۔ جس نے محبت پہ خون کو قربان کر دیا تھا۔ بڑی تائی، چھوٹی تائی، چاچی سب ہی اسے کمپنی دیتی تھیں۔ صبح وہ سب اپنے اپنے دھندوں کو چلے جاتے تو وہ انہی کے ساتھ وقت گزارتی تھی۔ راحمہ چچی اپنے کمرے سے شاذ ہی نکلتی تھیں۔ تائی وغیرہ کی طرح گھریلو امور میں انھیں رائے دیتے اس نے کبھی نہیں دیکھا۔ وہ الگ تھلگ اپنی ذات میں گم نظر آتی تھیں۔ جب کبھی سب کے ساتھ بیٹھتیں بھی تو ان کا ذہن غیر حاضر رہتا۔ اور اب کسی حد تک ان کے بارے میں جان کر اسے ان میں مزید دلچسپی محسوس ہوئی۔ تمام لڑکوں سے اس کی بے تکلفی ہو چکی تھی مگر عفان مصطفیٰ کسی قدر فاصلے پر ہی نظر آتا تھا۔

"دانیہ مجھے اک امپورٹنٹ ای میل کرنا تھا۔ آج میری فرینڈ کا برتھ ڈے ہے۔" اس نے میگزین پڑھتی دانیہ کو مخاطب کیا۔

"ہال کمرے میں سسٹم ہے نا کر لو۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کہاں چلیں؟" اس کا رخ ہال کی طرف تھا جب وردہ کچن سے برآمد ہوئی۔ "وہ پی سی تو خراب ہے۔"

"اوہ نو۔" اسے افسوس ہوا۔

"ڈونٹ وری تم عفی کا سسٹم یوز کر لو۔ ان کے بیڈ روم میں ہے۔" اس نے مسئلے کا حل نکالا۔

"لیکن بغیر پرمیشن؟" وہ ہچکچاہٹ کا شکار ہوئی۔

"وہ ہوتا تو پرمیشن بھی لے لیتیں۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی وہ سب باہر گئے ہیں دو تین گھنٹے تک کی فرصت ہے تم ریلیکس ہو کر اپنا کام کر لو۔"

"او کے۔" اس نے ریلیکس انداز میں دروازہ کھولا تھا۔ دروازے کی چوکھٹ پہ کھڑی اگلے ہی پل خفیف سی ہو گئی۔ بلیو جینز، بلیو بنیان میں ملبوس آئرن اسٹینڈ کے پاس کھڑا وہ بلیو شرٹ پریس کر رہا تھا۔ دروازہ کھلنے کی آواز پہ اس کا سر میکانکی انداز میں گھما۔ دروازہ پہ کھڑی لائیٹ و ڈارک امتزاج کا گرین سوٹ زیب تن کیے خفت سے انگلیاں مسلتے لینہ عباس کے چہرے پہ نظریں جم گئیں۔

"آئم سوری۔ وہ وردہ..... ویری سوری مجھے خبر نہیں تھی کہ آپ ہیں۔"

"اٹس او کے۔" استری کا پلگ نکالتے وہ شرٹ پہننے لگا۔

"کوئی کام تھا آپ کو؟" شرٹ کے بٹن بند کرتے اس نے جھکی پلکوں والی لڑکی کو بغور دیکھا۔ جب بھی ان کا سامنا ہوا تھا وہ اسے پر اعتماد اور آنکھوں میں آنکھیں ڈالے بات کرنے والی اسٹیٹ فارورڈ لڑکی لگی تھی مگر ابھی اپنی غیر مہذبانہ حرکت پہ جس قدر شرمسار نظر آ رہی تھی خاصی اچھی لگ رہی تھی۔

"مجھے ایک ای میل کرنا تھا۔" اس نے اپنی آمد کی وجہ بتائی۔

"شیور۔" اس نے ہاتھ کے اشارے سے بائیں کارنر پہ موجود سسٹم کی طرف اشارہ کیا۔ اس کے قدم اسی طرف اٹھ گئے۔ بالکل لڑکیوں کی طرح کا کمرہ تھا۔ یہاں بھی تین ڈبل بیڈ پڑے تھے جو اس بات کی نشاندہی کر رہے تھے کہ وہ ایک ہی بیڈ روم شیئر کرتے ہیں۔ وہ آگے بڑھ کر ڈریسنگ ٹیبل کے پاس جا کھڑا ہوا۔ بال برش کر کے پرفیوم اسپرے کر لیا۔ کمرے میں دلفریب خوشبو پھیل گئی۔ وہ مین لائن کے لیے سوئچ بورڈ ڈھونڈ رہی تھی۔ وہ اس کے پیچھے اپنے بیڈ کی سائیڈ دراز سے ضروری پیپرز نکال رہا تھا۔ اس کی متلاشی نظروں پہ نظر پڑی تو ہاتھ بڑھا کر لیمپ کے پیچھے موجود سوئچ بورڈ کا بٹن دبا کر سی پی یو آن کر دیا۔

"میں جا رہا ہوں آپ ریلیکس ہو کر اپنا کام کر لیجیے جب موڈ ہو آپ بلا جھجک میرا سسٹم یوز کر سکتی ہیں۔"

"تھینک یو۔"

"سی ڈی پلیئر آف کر دوں یا..... ان فیکٹ میوزک سنتے ہوئے ای میل لکھنے میں زیادہ مزہ آئے گا۔ چلتا ہوں۔" وہ سی ڈی پلیئر بجتا چھوڑ کر کمرے سے نکل گیا۔ لیے دیے رہنے والے بندے کا اتنا فرینک انداز..... اسے خوشگوار حیرت ہوئی۔

☼ ☼ ☼

"کہاں رہ گئے یہ لوگ؟" اذی مین گیٹ کا چوتھا چکر لگا کر آئی تو غصہ کرنے لگی۔

"ابھی تو ڈھائی بجے ہیں، فجر سے پہلے نہیں آنے والے وہ لوگ۔" کمبل سر تک اوڑھے عمامہ نے اطلاع دی۔

"سو جاؤ تم بھی دروازہ کھلنے کے انتظار میں سوکھ جائیں گے تب مزا آئے گا۔" اریج بھی بول پڑی۔

"کتنا کہا تھا، ہمیں بھی لے چلو۔ مجھے کانسرٹ لائیو دیکھنے کا بے حد شوق ہے مگر "اچھی لڑکیاں کانسرٹ میں نہیں گھر میں ہوتی ہیں۔" کہہ کر نکل گئے سب۔ اللہ کرے دادو کو خبر ہو جائے۔ ٹھیک سے مرمت کریں ان سب کی۔" دانیہ کو نہ جانے کا قلق تھا۔ لینہ عباس کی سمجھ میں بات آ گئی۔ بڑوں سے چوری وہ پانچوں کانسرٹ میں گئے ہوئے تھے اور لڑکیوں کے ذمے گیٹ کھولنا تھا۔ "مجھے اب نیند آ رہی ہے صبح پریکٹیکل ہے میرا۔" اذی کا غصہ برقرار تھا۔

"تم سو جاؤ اذی میں جاگ رہی ہوں۔ گیٹ میں کھول دوں گی۔" اس نے اپنے ساتھ سوئی ہوئی وردہ پہ کمبل ڈالتے ہوئے اپنی خدمت پیش کی۔

"تھینک یو لیکن بی کیئر فل دادو کو خبر ہو گئی تو وہ لوگ میری جان کو آ جائیں گے۔" اذی اگلے ہی پل بستر میں گھس گئی۔ صبح کے چار بج رہے تھے وہ دو چکر لگا چکی تھی۔ بیڈ روم سے مین گیٹ تک خاصا فاصلہ تھا۔ اس پریڈ سے اکتا گئی تو شال لپیٹے لان کی سیڑھیوں پہ آ کر بیٹھ گئی۔ اس عمل سے بھی اکتاہٹ ہونے لگی تو کافی بنانے کے خیال سے اٹھی۔ اسی وقت مین گیٹ روشنی سے نہا گیا۔ اس کے قدم مین گیٹ کی طرف اٹھ گئے۔ مین گیٹ وا کیا۔ جہاں پانچوں اپنی اپنی بائیک میں براجمان تھے۔ پھر ایک کے بعد ایک بائیک کو اندر لا چکے تھے۔ وہ مین گیٹ لاک کر رہی تھی۔ بائیک اسٹینڈ پہ کھڑی کر کے وہ اس تک آئے۔

"آپ نے کیوں زحمت کی لینہ؟" عون استفسار کر رہا تھا۔

"جب گروپ میں شامل کیا ہے تو یہ تکلف کیوں۔" اس نے تنبیہہ کی عون نے جھٹ کان پکڑے۔

"میں اپنے لیے کافی بنانے جا رہی ہوں۔ تم میں سے کسی کو پینی ہے تو بتا دو کھلی آفر کر رہی ہوں۔" وہ مسکراتے ہوئے گویا تھی۔

"نیکی پوچھ کر نہیں کرتے لینہ جی۔" حشام شوخی سے گویا تھا۔ وہ بے ساختہ ہنس دی۔

"اپنی سریلی ہنسی کی آواز ذرا دھیمی رکھیں دادو جاگ گئیں تو وہ جوتے پڑیں گے کہ حد نہیں۔" علی نے ڈرایا۔ وہ پانچوں کچن میں موجود میز کو رونق بخش چکے تھے۔ دونوں ہاتھ آپس میں رگڑتے عفان مصطفیٰ نے بھرپور نظروں سے کافی پھینٹتے لینہ عباس کو دیکھا۔ بلیک سوٹ میں براؤن شال شانوں پہ ڈالے معصومیت سے مسکراتے اب وہ اوون آن کر رہی تھی۔ کانسرٹ کے بارے میں پوچھ رہی تھی۔ ان کی گفتگو پہ کمنٹ دے رہی تھی۔ وہ وقفے وقفے سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"آپ اب تک کہاں تھیں لینہ عباس۔" ان سب کے آگے کافی کے مگ اور گرما گرم پزا رکھا تو سب دعائیں دینے لگے۔

"تائیس کافی۔" تابش کے ساتھ باقی سب نے بھی سراہا۔ اس کی نظر بے ساختہ عفان مصطفیٰ سے ٹکرا گئی۔ مگ انگلیوں کے گھیرے میں لے کر اس نے تائیدی انداز میں سر ہلایا۔ وہ لوگ اپنے بیڈ روم میں چلے گئے۔ میز سمیٹ کر وہ مگ دھونے لگی۔ پانی کی بوتل فریج سے نکالتے عفان مصطفیٰ کی نظریں اس کی پشت پر تھیں۔

"لینہ!" پکار بڑی غیر متوقع اور اجنبی تھی۔ اس انداز میں اسے کسی نے نہیں پکارا تھا۔ لہجے کی گمبھیرتا پہ اس کا سر میکانکی انداز میں گھما۔ وہ پانی کی بوتل ہاتھ میں لے کر اس تک آیا۔

"آپ کچھ کہہ رہے تھے؟" وہ اس کے بغور دیکھنے اور غیر معمولی پکار پہ حیران تھی وہ اس کی آنکھوں میں بغور جھانکتے ہوئے گویا ہوا۔

"لبینہ! ابھی آپ کو ایسا لگا کہ اب تک جتنی زندگی بتی وہ اک سراب تھی' بے کار' بے رنگ اور اب جس لمحے آپ جی رہے ہیں وہی لمحہ زندگی کا حاصل ہے۔ دل کی چاہ ہوتی ہے زندگی ایسی ہی ہونی چاہیے اتنی ہی حسین' اتنی ہی معصوم اتنی خوب صورت و دلفریب کے کئی سو سال جینے کو دل چاہے۔" نافہم انداز میں وہ اس کی صورت تکتی رہی جبکہ وہ اس کے حیران پریشان چہرے پہ گہری نظر ڈال کر مسکراتا ہوا پانی کی بوتل تھما کر کچن سے چلا گیا۔

☼ ☼ ☼

دوپہر کے گیارہ بج رہے تھے۔ وردہ کے علاوہ اس وقت سب کالج' یونیورسٹی اور آفس میں ہوتے تھے۔ دادو' پھپھو کی طرف گئی ہوئی تھیں۔ انہوں نے پوری کوشش کی تھی کہ لبینہ عباس ان کے ساتھ چلے۔ پچھلے دنوں ہی اس کی ملاقات پھپو سے ہوئی تھی۔ بناوٹ' دکھاوا ان میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ اسے پھپو کا گھڑی گھڑی چھوٹی بھابھی (راحمہ) پہ طنز کرنا بھی برا لگ رہا تھا۔ وہ اسے ذرا اچھی نہیں لگی تھیں۔ عبید کے بارے میں بھی اس کی وہی رائے تھی جو باقی کزنز کی تھی۔ روز اس وقت وہ اور وردہ لنچ کی تیاری کرتی تھیں۔ آج وردہ پہ موسم کا اثر ہو گیا تھا۔ وہ میڈیسن لے کر آرام کر رہی تھی۔ اس نے چاہا تھا لنچ آج خود تیار کرے۔ مگر چھوٹی تائی اور چاچی نے "روز وردہ کے ساتھ تو لگی رہتی ہو آج آرام کر لو" کہہ اس کی چھٹی کر دی تھی۔ اتنی بڑی فیملی تھی مگر اس نے دیکھا تھا گھر میں ایک بھی ملازم نہیں تھا۔ لڑکیاں مل بانٹ کر سارا کام کر لیتی تھیں اگر ان کا موڈ نہیں ہوتا تو تائی یا چاچی وغیرہ کچن سنبھال لیتی تھیں۔ بنا کسی شور کے اس گھر کے سارے کام ہو جاتے تھے۔ آج کے دور میں ایسا گھر واقعی بے مثل تھا۔ جہاں دیورانی' جیٹھانی بہنوں سے بڑھ کر رہتی تھیں۔ بڑی تائی میکے گئی ہوئی تھیں۔ اسے بوریت ہونے لگی تو وہ راحمہ چچی کے دروازے پہ دستک دینے لگی۔ اندر سے کوئی جواب موصول نہ ہوا۔ "کھڑی رہے یا واپس پلٹ جائے۔" وہ شش و پنج میں پڑ گئی۔ اگلے ہی لمحے دروازہ کھل گیا۔ رحمہ چچی کی صورت نظر آئی۔

"آنٹی میں بور ہو رہی تھی تو سوچا آپ سے باتیں کر لوں۔" راحمہ چچی نے سائیڈ میں ہو کر راستہ دیا۔

"آجاؤ۔" کمرہ ان کی نفاست کا ثبوت دے رہا تھا۔ انہوں نے بلیک ساڑھی باندھ رکھی تھی۔ وہ جب سے آئی تھی اس نے انہیں ایک ہی رنگ کی ساڑھی میں دیکھا تھا۔ سوگ کے رنگ میں یہی رنگ ان کے وجود پہ جیسے نقش ہو گیا تھا۔ ان کے ہر اعضاء سے سوگ جھلکتا تھا۔ مسکراہٹ درد کا اعلان کرتی تھی۔

"میں نے آپ کو ڈسٹرب تو نہیں کیا؟" ان کی خاموشی اسے خفیف کر رہی تھی۔

"بالکل نہیں ایزی ہو کر بیٹھ جاؤ۔" کہنے کی دیر تھی۔ فری ہو کر دونوں پیر چڑھائے وہ بیڈ پہ بیٹھ چکی تھی۔ اس کی عجلت میں اس قدر معصومیت تھی کہ راحمہ چچی بے ساختہ ہنس پڑیں۔ وہ انہیں دیکھتی رہی ان کی ہنسی بہت خوب صورت تھی۔

"آنٹی آپ ہنستے ہوئے بہت اچھی لگ رہی ہیں۔" اگلے ہی پل ان کے لب بھینچ گئے۔

"آج کافی سالوں بعد میں بے ساختہ ہنسی ہوں۔" انہوں نے اس کے چہرے پہ نظریں جماویں۔

"بالکل ایسی تمہاری طرح ہی ہوا کرتی تھی میں۔ مست' پگلی جھلی۔ منٹوں میں دوستی گانٹھ لینے والی سب کو اسیر کر لیتی تھی۔" آخری جملے پہ ان کی آواز بند ہو گئی۔

"پھر کیا ہوا آنٹی؟" کچھ انتظار کے بعد وہ دوبارہ بولی۔ وہ اپنے ہاتھوں کی لکیریں دیکھنے لگیں۔

"پھر... پھر ایسی ہوا چلی کہ میں مسکرانا بھی بھول گئی۔" انداز کھویا کھویا تھا۔

"ایسا کیا ہوا آنٹی کہ آپ ہنسنا بھول گئیں؟" اس

نے اشتیاق ظاہر کیا۔

"کیا کرو گی جان کر؟" انداز ٹالنے والا تھا۔ وہ ٹلنے والوں میں سے نہیں تھی۔

"جب آپ کہہ رہی ہیں کہ آپ بالکل میری جیسی تھیں تو ہو سکتا ہے میں بھی دس بیس سال بعد آپ جیسی ہی ہو جاؤں۔"

"اللہ نہ کرے' لبینہ ایسی بد فعالیں منہ سے نہیں نکالتے۔" ان کا لہجہ تیز ہو گیا۔ اک پل کو تو وہ ڈر ہی گئی۔

"سوری آنٹی۔"

"آئم سوری تو سے بیٹا۔ اس طرح تو میں نے آج تک اپنے بیٹے کو بھی نہیں ڈانٹا۔ اللہ تم پہ میرے نصیب کا سایہ بھی نہ ڈالے۔" وہ پھر خاموش ہو گئیں۔ وہ خاموش ان کے بولنے کی منتظر رہی۔ انہوں نے اک نظر اسے دیکھا پھر نظریں اپنی ہتھیلی کی لکیروں پہ مرکوز کر لیں جیسے ان آڑی ترچھی لکیروں میں ماضی کا گم گشتہ نشاں ڈھونڈ رہی ہوں۔

"میرا نام راحمہ ہے میرے والد سرکاری ملازم تھے۔ ہم پانچ بہنیں تھیں۔ بھائی کوئی نہیں تھا۔ غربت اور یکے بعد دیگرے بیٹیوں کے بڑھتے قد نے اماں' ابا کو وقت سے پہلے بوڑھا کر دیا تھا۔ میری بہنیں سلائی' کڑھائی کے علاوہ جو بھی کام مل جاتا کر لیتیں' میں گھر گھر جا کر ٹیوشن پڑھاتی تھی تب کہیں کھینچ تان کر ہمارا گھر چلتا تھا اور ہم بہنیں تعلیم حاصل کر رہی تھیں۔ گریجویشن کے بعد میں نے ٹیلی فون آپریٹر کی جاب کر لی۔ یہیں سے میری سیدھی سپاٹ زندگی دو حصوں میں بٹ گئی۔ اماں ابا مجھے جاب سے باز رہنے کو کہتے تھے جیسی گزر رہی تھی وہ اسی میں خوش تھے مگر مجھے روتی' سسکتی زندگی سے چڑ ہونے لگی تھی۔ مجھے بچپن سے جوانی تک کی اپنی ایک ایک محرومی یاد آتی جنہیں میں ہنسی میں ٹال جایا کرتی تھی۔ جو لوگ روپوں میں کھیلتے ہیں ان کا اور میرا خدا تو ایک ہی تھا۔ پھر اتنا تضاد کیوں؟ ایسی ہی سوچیں مجھے تنگ کرنے لگی تھیں۔ خوش شکل اور خوش گفتار تو تھی سو سلیکشن ہو گیا۔ ان ہی دنوں میری ملاقات مصطفیٰ سے ہوئی مصطفیٰ نے ان دنوں نئے نئے آفس آنا شروع کیا تھا — ان کے بھائیوں کی کوشش تھی وہ بھی بزنس کے اسرار و رموز سیکھ لیں پر وہ ذمہ داری سے بھاگتے تھے۔ لیکن ہماری ملاقات کے بعد وہ بڑی باقاعدگی سے آفس آنے لگے۔ ایسا وہ صرف مجھے دیکھنے کے لیے کرتے تھے میں جانتی تھی۔ مصطفیٰ میری روتی سسکتی زندگی کا نجات دہندہ لگے مجھے۔ مصطفیٰ بلا کے ہینڈسم تھے۔ آفس کی کتنی ہی کولیگز ان کو پسند کرتی تھیں اور وہ مجھے پسند کرتے تھے میں ان دنوں خود پہ نازاں تھی۔ مصطفیٰ کے اظہار پہ میں نے سہولت سے کہہ دیا کہ وہ پروپوزل بھیجیں۔ انہوں نے ہامی بھر لی ساتھ ہی کہا کہ جب تک بڑے بھائیوں کی شادی نہیں ہوتی وہ اپنی بات نہیں کر سکتے۔ بات ان کی بھی معقول تھی۔ ادھر میرے پرپوزل آ رہے تھے کہ میں اپنے گھر میں بڑی تھی۔ میرے ہر رشتے سے انکار پہ اماں' ابا چڑنے لگے تھے۔ پھر جب میں نے چاچا کے بیٹے کے لیے انکار کیا تو وہ دونوں ناراض ہو گئے۔ تب میں نے گھر میں کہہ دیا کہ میں مصطفیٰ کا انتظار کروں گی۔ اماں ابا نے واویلا مچایا۔ مصطفیٰ کو عیاش دولت مند گردانا۔ سبز باغ دیکھنے پہ سرزنش کی میرا ایک ہی جواب تھا میں بیاہ کر کسی فقیر کے گھر نہیں جاؤں گی اگر آپ لوگوں کے پاس مصطفیٰ سے اچھا پروپوزل ہے تو آج ہی میری شادی کر دیں۔ جواب میں کوسنوں کے ساتھ اماں نے مجھے حریص لالچی کہا مگر میں اڑی رہی۔ ناچار اماں ابا نے مجھ سے چھوٹی بہن کی شادی گنوار رشید سے کر دی۔ میری بہن سسک سسک کر زندگی گزارنے لگی کہ رشید میرے عشق میں مرا جا رہا تھا اور اب میرے انکار کا بدلہ وہ میری بہن کو ستا کر لے رہا تھا۔ مجھے رشید کے ساتھ اپنی بہن پر بھی غصہ تھا کیا ضرورت تھی اسے چپ چاپ شادی کرنے کی اور وہ قسمت کا لکھا کہہ کر رونے لگتی تھی۔ تب میں نے تنفر سے کہا تھا۔

"انسان اپنی قسمت خود بناتا ہے' دیکھنا میں مصطفیٰ کے ساتھ اپنی کتنی قابل رشک قسمت بناؤں گی۔" پر

مجھے خبر نہیں تھی کہ قسمت میرے جملے پہ دل کھول کر ہنسی ہے۔ مصطفیٰ کے بھائیوں کی شادی میں دو سال بیت گئے۔ میری بھی دو بہنوں کی شادی ہو گئی۔ جب مصطفیٰ نے اپنے گھر میں میرے لیے بات کی تو ان کی اماں نے واویلا مچایا۔ انہیں مصطفیٰ کی ثابت قدمی پہ ہار مانتے ہی بنی۔ انہوں نے میرے اماں، ابا کو بھی نہیں بخشا۔ بدکردار، دولت دیکھ کر ریجھ جانے والی بیٹے کو پھانسنے کا طعنہ دیا۔ یہ بھی کہا کہ دولت مند لڑکوں کو غریب کی لڑکیاں نکاح میں لانے کا شوق ہوتا ہے لیکن وہ جلد ہی اکتا بھی جاتا ہے۔ میری اماں، ابا کو اتنی باتیں سنائیں کہ انہوں نے مجھ پہ اپنے گھر کا در بند کر دیا۔ ساس کے ساتھ مجھے اپنے والدین پر بھی غصہ تھا مگر مصطفیٰ سب نظرانداز کرنے کو کہتے رہے۔ روز اول اماں اٹھتے بیٹھتے گھنی میسنی، چلتر باز اور برے برے ناموں سے پکارتی رہیں۔ میں بنیادی طور پہ ڈرپوک اور کم ہمت لڑکی تھی۔ اپنے حق کے لیے لڑنا نہیں آتا تھا مجھے میں نے جس زندگی کی چاہ کی مل گئی، میں دل کی بے سکونی اماں کی خدمت کر کے مٹانا چاہتی تھی۔

مگر میرا کوئی عمل انہیں رام نہ کر سکا۔ وہ مجھے اچھوت سمجھتی تھیں۔ میری سب سے چھوٹی بہن کی شادی پہ میرے والدین نے مجھے پوچھا تک نہیں میں کئی بار ملنے گئی تو گھر میں گھسنے نہیں دیا۔ بہنوں پہ ان کے شوہر کا رعب تھا۔ مجھے سب نے چھوڑ دیا تھا۔ سب پا کے بھی مجھے خوشی نہیں ہو رہی تھی۔ گہنے، کپڑے، گاڑی، محلوں سا گھر یہی تو میرا خواب تھا پر پتہ نہیں تعبیر پا کر میں ناخوش کیوں تھی۔ ان چیزوں کو پا کر مجھ سے میرے اپنے چھوٹ گئے تھے۔ جس کی یاد نے مجھے زود رنج بنا ڈالا تھا۔ اکثر دہل کر مصطفیٰ سے پوچھتی تھی۔

"آپ تو مجھے نہیں چھوڑیں گے نا؟" اور وہ میرے فکرمند چہرے کو دیکھتے مسکرا کر کہتے۔

"میں جان چھوڑ دوں گا مگر اپنی جاناں کو نہیں چھوڑوں گا۔" اور کتنا صحیح کہا تھا انہوں نے قول کے پکے نکلے۔ سال بھر کے عفان کو میری گود میں چھوڑ کر روڈ ایکسیڈنٹ میں جاں بحق ہو گئے۔ میں بے سائباں ہو گئی۔ آہوں، سسکیوں، کوسنوں پہ کھڑا میرا خواب محل ڈوب گیا۔ ڈیڑھ سال کی رفاقت دے کر مصطفیٰ مجھے بے آسرا تپتی دھوپ میں چھوڑ گئے۔ مصطفیٰ کی موت پہ میں میرے والدین آئے تھے غم سے نڈھال کاندھے جھکے ہوئے تھے۔ اماں نے اس موقعے پر بھی انہیں خاندان والوں کے سامنے برا بھلا کہا۔ اس لمحے پہلی بار مجھے خود سے نفرت محسوس ہوئی۔ اپنے اماں، ابا کی بے عزتی کروانے والی میں ہی تو تھی۔ ان کے کاندھے جھکانے والی میں ہی تو تھی۔ ان کا تماشا بنوانے والی میں ہی تو تھی۔ میں نے طے کر لیا تھا عدت کے بعد اس گھر کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چھوڑ دوں گی۔ مگر قدرت میری خواہشوں کا تاوان طلب کرنے پہ کمربستہ تھی۔ واپس جاتے ہوئے اماں ابا کو ٹرالر نے کچل دیا تھا۔ میں حقیقتاً" کھلے آسماں تلے کھڑی تھی۔ میری ضد نے مجھے کہاں لا کھڑا کیا تھا۔ مجھے مہنگے گہنوں کا شوق تھا، قدرت نے بیوگی کی چادر اوڑھا دی۔ روپوں، پوزیشن کا خبط تھا، قدرت نے آنسو، غم آنچل سے باندھ دیا۔ نرم ملائم بستر پہ سونے کا شوق تھا، قدرت نے نیند آنکھوں سے چرا لی۔ شوخ رنگوں کے کپڑے پہن کر اترانا چاہتی تھی تو قدرت نے سفید رنگ نصیب میں لکھ دیا۔ والدین کا دل دکھانے کی بہت بڑی سزا ملی تھی مجھے۔ کتنے دلوں کو ناخوش کر کے میں نے اپنی خوشی کا سامان کیا تھا اور قدرت نے مجھے غم کی بھٹی میں دھکیل دیا۔ اب اماں کی ترش باتیں بری نہیں لگتیں۔ مجھ جیسی لالچی عورت اس لائق ہے کہ لوگ مجھے گالیاں دیں۔ کوسیں سنگسار کر دیں۔"

دکھوں کی کہانی سنا کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھیں۔ ایک ایک درد ان کے چہرے پہ نقش ہو گیا تھا۔ لینہ عباس نے ایسے کتنے ہی لوگوں کو دیکھا تھا جو اوروں سے انتقام لیتے ہیں۔ آج وہ ایک ایسی عورت کو دیکھ رہی تھی جو خود سے انتقام لے رہی تھی۔ جوانی کی رنگینی کو سیاہ لباس میں گم کر ڈالا تھا۔ ہنسی، مسکراہٹ کا قتل کر کے دکھ، درد کی انگلی تھام لی تھی۔ دنیا میں کیا ہو رہا

ہے؟ کیوں ہو رہا ہے؟ کچھ خبر نہیں تھی۔ خود سے انتقام لیتے کسی اور چیز کو جاننے کی فرصت کب ہوتی ہے۔

"آپ نے ایک غلطی کی مگر اسی غلطی کو مسلسل دہراتی چلی آ رہی ہیں۔" انہوں نے اچنبھے سے لینہ عباس کو دیکھا۔

"آپ نے آنسوؤں پہ اپنے پیار کا محل بنایا اور یہ سچ ہے کہ بد دعائیں انسان کا پیچھا کرتی ہیں جو ہوا وہ یقیناً" کاتب تقدیر کا لکھا تھا۔ مگر اب آپ جو کر رہی ہیں کیا وہ درست ہے؟ یوں دنیا سے کٹ کر کمرہ نشیں ہو جانا، خود کو مشق ستم بنانا، یہ صحیح ہے؟ مصطفیٰ انکل نے اپنی ڈیڑھ دو سالہ رفاقت میں آپ کو جتنی محبت دی، پیار دیا اس کے جواب میں یوں رونا بسورنا خود کو اذیت دینا کیا ان کی روح کو تکلیف نہیں دے رہا ہو گا؟ دنیا نے بھلے آپ کے ساتھ جو کیا مگر مصطفیٰ انکل نے آپ کو خلوص دل سے چاہا ہے۔ آپ کو اس سیاہ رنگ میں دیکھ کر انہیں خوشی ہوتی ہو گی؟ آپ نے پوری جوانی اسی طرح کاٹ دی یہ دلیل ہے اس بات کی کہ آپ کو بھی مصطفیٰ انکل سے عشق ہے۔ روپوں کا لالچ ہوتا تو آپ کسی دولت مند سے شادی کر کے پھر روپیہ حاصل کر سکتی تھیں کہ ہمارے مذہب میں بیوہ کا نکاح کرانے پہ زور دیا گیا ہے۔ مگر آپ نے ان کے نام پہ جیون بتایا لالچ کے علاوہ جو چیز آپ کو مصطفیٰ انکل کے قریب لائی وہ محبت کی ڈور تھی جس میں آپ آج تک بندھی ہیں۔ قدرت نے آپ کے ساتھ جو کیا آپ نے خود کو مورد الزام ٹھہرایا۔ حالانکہ ________ اس کے حکم کے بغیر پتا تک نہیں ہلتا۔ مگر آپ نے خود کو مشق ستم بنایا۔ اپنا غم غلط کرنے اور انتقام لینے میں اتنی مگن رہیں کہ آپ کو آج تک احساس نہ ہوا کہ اس انتقام کی بھینٹ عفان مصطفیٰ چڑھا ہے۔ میں جب سے آئی ہوں اسے بلاضرورت مسکراتے نہیں دیکھا۔ ہر دم دادو کی جلی کٹی باتوں کی زد میں دیکھ کر بارہا حیران ہوئی ہوں مگر اب جب آپ نے مجھ سے اپنا آپ شیئر کیا تو میں یہی کہوں گی عفان مصطفیٰ لوگوں کے جم غفیر میں ضرور رہتا ہے مگر وہ اندر سے بہت تنہا ہے۔ اسے تنہا آپ نے کیا ہے۔ باپ تو قدرت نے چھینا ماں کو آپ نے خود چھین لیا۔ اس کے درد کا اندازہ کیجیے جس کے حصے میں ماں، باپ کسی کا پیار نہ آیا۔ بند کیجیے خود سے انتقام لینا۔ مٹھی کھول کر ماضی کے پردرد لمحوں کو جانے دیجیے۔ جو رشتے کھو گئے بچھڑ گئے ان کی یاد دل میں ضرور رکھیں مگر اس طرح کہ کسی کی حق تلفی نہ ہو۔ کوئی تشنہ، تہی دامن نہ رہ جائے۔ جو وقت بیت گیا اس کا ذکر ہی کیا جو بیت رہا ہے کم سے کم اسے خوشگوار کیجیے۔ جہنم میں ڈالیے دنیا کو قہقہے لگانے کو سب تیار ہو جاتے ہیں مگر آنسو پونچھنے کوئی نہیں آتا۔ ہمت کیجیے اپنے آنسو پونچھ کر انہیں دیکھیے جو آپ کی توجہ و محبت کا طالب ہے۔ زندگی ہر گھڑی رنگ بدل رہی ہے۔ یہ آپ پہ منحصر ہے کہ آپ نئی صبح کو کس انداز میں خوش آمدید کہتی ہیں۔" ان کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے لینہ عباس کا ہر لفظ راحمہ چچی کے دل میں گھر کرتا جا رہا تھا۔

* * *

گھڑی نے رات کا دو بجایا تھا۔ مانوس آہٹ پہ وہ چپکے سے کمبل سے نکل آئی۔ گرے کوٹ شانے پہ ڈالے ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے وہ کاریڈور کی سیڑھیاں طے کر رہا تھا۔ چال سے تھکن ظاہر تھی۔ رات کے کھانے کے دوران اس کی غیر موجودگی پہ تایا جی نے بتایا تھا۔

"عفی آفس سے آف ہونے کے بعد اپنے فرینڈ کی سسٹر کی شادی میں گیا ہے۔ رات دیر سے آئے گا۔"

وہ کتنی ہی دیر سے اس کی منتظر تھی۔ دوپہر مما سے بات کر کے وہ اسے بھی چیک کرنا چاہتی تھی۔ اب اس کے چہرے پہ بکھری تھکن نے اسے شش و پنج میں مبتلا کر دیا۔ عفان مصطفیٰ کے قدم کچن کی طرف تھے وہ تھوڑی دیر کھڑی رہی۔ شاید اسے کسی شے کی ضرورت ہو اس خیال سے وہ کچن میں داخل ہوئی۔ کوٹ کرسی کی پشت پہ ڈالے شرٹ کے کف کے بٹن کھول کر کف فولڈ

کیے کافی کا جار نکال رہا تھا۔ گرے اور بلو ڈاٹس کی ٹائی گلے میں جھول رہی تھی۔

"ہٹیں میں کافی بنا دیتی ہوں۔" وہ اس تک آئی۔ اس نے آواز پہ گردن موڑ کر دیکھا۔ وائٹ سوٹ میں شال لیے کیچو میں بالوں کو جکڑے سادہ سے حلیے میں اچھی لگ رہی تھی۔

"آپ کو زحمت۔۔۔۔"

"نہیں ہوگی۔" اس کے ہاتھ سے جار لیتے ہوئے اس نے جملہ مکمل کیا۔ وہ شیلف سے کمر ٹکائے ہاتھ سینے پہ باندھے اسے کافی بناتے دیکھتا رہا۔

"تم آپ سوئی نہیں؟" نظریں اٹھتی گرتی پلکوں پہ اٹکی تھیں۔ کچھ صورتیں اتنی حسین ہوتی ہیں کہ دل کے فریم میں نقش ہو جاتی ہیں۔ صاحب دل کو خبر اس وقت ہوتی ہے جب صورت ہٹائے نہیں ہٹتی۔

"آپ کے لیے جاگ رہی تھی۔" دودھ گرم کرنے کے لیے دوسرے چولہے پہ رکھتے ہوئے معصومیت سے گویا ہوئی۔

"میرے لیے۔۔۔۔" اسے خوشگوار حیرت ہوئی گھر میں محبت کا اظہار تو ہر کوئی کرتا تھا مگر یہ نازک لڑکی جو اس کی کچھ لگتی نہیں تھی وہ اس کے انتظار میں جاگتی رہی تھی اور اب جس طرح اپنائیت سے کافی بنا رہی تھی اسے اچھا لگ رہا تھا۔

"آپ سے کچھ باتیں کرنی تھیں۔" اس نے کھولتا پانی مگ میں انڈیلتے بات جاری رکھی۔

"شوق سے کیجیے۔" بے حد مسکراتے ہوئے دعوت دی۔

"ابھی آتے ہوئے آپ اتنے تھکے ہوئے لگ رہے تھے کہ میں اپنا ارادہ ملتوی کرنے کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ آپ کہیں تو ہم پھر کبھی بات کر لیتے ہیں۔" اس کی طرف ذرا کی ذرا دیکھتے ہوئے وہ گرم دودھ ڈالنے لگی۔

"اسٹرونگ۔" اس کا اشارہ دودھ کم ڈالنے کی طرف تھا۔ "اچھے بچے اسٹرونگ کافی نہیں پیتے۔ زیادہ تلخی اچھی نہیں ہوتی۔" شرارتی لہجے میں کہہ کر اس نے حساب برابر کیا۔ اس دھونس بھرے انداز پہ وہ مسکرا کر رہ گیا۔

"آپ نے اپنے لیے نہیں بنائی؟"

"موڈ نہیں ہے۔"

"ڈونٹ وری ہم شیئر کر لیں گے۔" اس نے اسٹینڈ سے دوسرا مگ لے کر کافی کو دو حصوں میں کر دیا۔ وہ انکار کرتی رہ گئی۔

"اچھے بچے کافی سے انکار نہیں کرتے۔" اس نے اسی کا انداز اپناتے ہوئے مگ بڑھایا۔ اس نے مسکراتے ہوئے تھام لیا۔ اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے میز پہ مگ رکھ کر بیٹھ گیا۔

"آپ تھکے ہوئے ہیں بات پھر کر لیں گے۔" وہ کرسی کی پشت سے لگی کھڑی تھی۔

"بیٹھیں پلیز۔" اس کے اصرار پہ اسے بیٹھنا پڑا۔

"واقعی میں تھکا ہوا تھا۔ صبح یونیورسٹی وہاں سے آفس پھر فرینڈ کی سسٹر کی شادی۔ کچھ کام تھے جنہوں نے تھکا دیا تھا۔ سوچا کافی پی کر تھکن ریلیز کر لوں گا مگر اب تو کافی کی بھی ضرورت نہیں رہی۔" مگ کے کناروں پہ انگلی پھیرتے ہوئے بغور اسے دیکھتے گویا تھا۔ وہ جملے ترتیب دینے میں اتنی گم تھی کہ اس کے لہجے اور لفظوں پہ دھیان نہ دے سکی۔ وہ چند ثانیے اس کے بولنے کا منتظر رہا پھر سپ لیتے انگلیوں کی پوروں سے میز ہولے سے بجایا۔ وہ متوجہ ہو گئی۔

"لینہ! آپ کو جو بھی کہنا ہے بلا جھجک کہہ ڈالیں۔ پرامس میں برا نہیں مانوں گا۔" وہ اس کا تذبذب بھانپ گیا تھا۔

"کیوں برا نہیں مانیں گے؟" وہ ریلیکس ہو گئی۔ پر اعتماد نظریں اس پہ اٹھی ہوئی تھیں۔ اسے اس سوال کی توقع نہیں تھی تب ہی اک لحظے کو اس کا چہرہ دیکھنے لگا۔ پھر شانے اچکا دیے۔

"پتہ نہیں شاید ابھی میں نے خود کو ٹھیک سے پہچانا نہیں۔ خود پہ منکشف ہونے میں کبھی ٹائم لگتا ہے اور کبھی اک لمحہ سب کچھ باور کرا جاتا ہے۔" عجب خود کلامی کا سا انداز تھا۔ وہ سن نہ سکی۔

"میں مہمان ہوں اس لیے؟"

"نہیں۔" انداز قطعی تھا وہ کسی قدر تحیر سے دیکھنے لگی۔ مگ کو دائیں بائیں حرکت دیتے اس پر اچٹتی نگاہ ڈالی۔

"آپ نے جس بے صبری سے میرا انتظار کیا۔ جس اپنائیت سے کافی بنائی اور اب شاید میری ہی کسی بات پہ سرزنش و پیچ میں پڑی ہیں۔ آپ کی اتنی مہربانیوں پہ میں برا مان جاؤں۔ اتنا کم ظرف نہیں ہے عفان مصطفیٰ۔" اس نے بغور اس ہینڈسم شخص کو دیکھا۔

"عفان پتہ نہیں آپ میرے بارے میں کس انداز میں سوچتے ہوں۔ میرا اتنا فرینک ہونا شاید کہ آپ کو ناگوار گزرے مگر اس ڈر سے میں چپ بھی نہیں رہ سکتی۔" اک لحظے کو رکی۔ وہ از حد سنجیدہ ہو گیا۔ اسے اس کی تمہید غیر معمولی لگی۔

"آج آپ کی مما سے ضد کر کے میں نے ان کی محرومیوں، دکھوں سے مزین کہانی سنی اور مجھے ان کی غلطی کہیں نظر نہیں آئی۔ انہوں نے کچھ زیادہ نہیں صرف خوشیاں ہی تو چاہی تھیں۔ ہر ذی نفس خوشیوں کی ہوس میں مبتلا ہے۔ پھر آنٹی نے چاہا تو کونسا برا کیا۔ آہوں اور سسکیوں نے بد دعا بن کر ان کی زیست کو گھن لگا دیا۔ ڈیڑھ سالہ رفاقت کی یادیں دے کر مصطفیٰ انکل عالم بالا کو سدھار گئے اور آنٹی نے خود کو مشق ستم بنا لیا۔ وہ خود کو مجرم گردانتی ہیں حالانکہ انہوں نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ دنیا نے ان کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا۔ انہوں نے پوری زندگی شوہر کے نام پہ بتا دی۔ مسکراہٹ، آرزوئیں، ارمان، شوق دل کی چوکھٹ پہ قربان کر دیے۔ رنگ، خوشبو، تتلی، جگنو کو بھلا کر سیاہ رنگ اوڑھ لیا۔ اپنی ذات، ترجیحات کو سرعام پھانسی لگانا کبھی آسان نہیں ہوتا آنٹی ایک عرصے سے یہ کام کرتی آ رہی ہیں۔ ان کی اتنی بڑی قربانی کے بدلے میں کیا ملا انہیں؟ کچھ بھی تو نہیں وہ جیتی ہیں یا مرتی ہیں کسی کو کچھ فرق نہیں پڑتا۔ یہاں تک کہ آپ کو بھی نہیں۔" خاموش لب سیے وہ سنتا رہا۔

"دادو جو کرتی ہیں وہ جانیں۔ مگر آپ۔۔۔ آپ تو بیٹے ہیں۔ جنم دیا ہے انہوں نے آپ کو پھر ماں سے اتنی بے گانگی، میں جب سے یہاں ہوں میں نے آپ کو کبھی آنٹی کے پاس جاتے نہیں دیکھا۔ کبھی ان سے بات کرتے نہیں پایا۔"

"لینہ آپ کی طرح میں بھی مما کو قصوروار نہیں ٹھہراتا۔ پسند کی شادی کرنا گناہ نہیں ہے مگر ہماری سوسائٹی میں آج بھی دین سے بے بہرہ لوگ ہیں جو پسند کی شادی پہ سزا دیتے ہیں۔ ہر انسان کی موت کا دن متعین ہے۔ پاپا کی زندگی کے دن پورے ہو گئے تھے سو وہ چلے گئے۔ نانا، نانی کا بھی بلاوا آ گیا تھا۔ اب ایسے میں دادو جیسے لوگ مما کو سبز قدم کہیں برے ناموں سے بلائیں تو یہ ان کی ذہنی پستی کا ثبوت ہے اور کچھ نہیں میں نے نو عمری سے مما کو اپنی ذات میں مگن اور سیاہ رنگ میں دیکھا۔ تب مجھ میں دکھ، درد، سوگ کی سمجھ نہیں تھی۔ لیکن جیسے جیسے میں بڑا ہوتا گیا مما پہ ترس کے بجائے غصہ آنے لگا۔ دادو طنز کرتی ہیں میں نے آج تک انہیں اک لفظ نہیں کہا صرف اس لیے کبھی تو مما کو احساس ہوگا کہ ان کا غصہ دادو مجھ پہ نکالتی ہیں۔ پھر سب بے کار رہا۔ مما خود سے انتقام لینے کے ساتھ مجھ سے بھی انتقام لیتی رہیں۔ باپ تو چھن ہی گیا تھا۔ ماں خود دور ہو گئی۔ مما کی ایک ایک تکلیف کا دکھ ہے مجھے یہ بے گانگی، لاتعلقی میرے اندر کا غصہ ہے۔ کیوں انہوں نے خود سے مجھ سے نفرت کا رویہ رکھا ہوا ہے؟ کیوں خود پہ مجھ پہ ترس نہیں آتا انہیں؟ جنم دینے والی ماں کو کبھی میرے غم کا احساس ہوا کہ اتنے بڑے گھر میں سب کے مما، پاپا ہیں میرے تمام کزنز اپنے پرابلمز ان سے ڈسکس کرتے ہیں میں کس سے کروں؟ کبھی مجھے راتوں کو ڈر لگتا تھا تب میں کس سے لپٹ کر سوؤں گا کبھی انہوں نے سوچا؟ مما نے کسی کے ساتھ انصاف نہیں کیا نہ اپنے ساتھ نہ میرے ساتھ۔ جن راہوں پہ بچے والدین کا ہاتھ تھامے چلتے ہیں ان راہوں پہ میں اکیلا چلا۔ کریئر کیسے بنتا ہے کون سی فیلڈ میرے لیے سوٹ ایبل ہے۔ اپنے لیے میں

نے خود سوچا۔ مما کو تو آج تک میری فیورٹ ڈش کا نہیں پتہ۔" دونوں ہاتھ کی مٹھیاں میز پہ دھرے عفان مصطفیٰ لب کچل کر ضبط کی سعی کر رہا تھا۔ لینہ عباس کو احساس ہوا وہ عفان مصطفیٰ کو غلط سمجھ رہی تھی۔ پہلے وہ قصوروار لگ رہا تھا اب وہ اسے قابلِ رحم لگ رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

"آنٹی نے خود کو خول میں بند کر لیا تو آپ نے کیوں نہ توڑا یہ خول؟ آپ کی لاتعلقی، بے گانگی نے کیا دیا آپ کو۔ وہ خود سے انتقام لیتی رہیں تو کیوں نہ روکا انہیں؟ آپ بیٹے ہیں عفان ماں سے مانگ کر محبت کرتے۔ شرم، جھجک تو غیروں سے ہوتی ہے اپنوں سے کیا شرم۔" وہ دھیمے سروں میں گویا تھی وہ دل سے قائل ہوتا اپنی غلطی کا اعتراف کر رہا تھا۔

"عفان! آنٹی نازک عورت ہیں پہلے ہی ضرورت سے زیادہ ضبط کر چکی ہیں۔ مزید بے گانگی کا کھیل جاری مت رکھیے۔ کبھی بھی سب کچھ ٹھیک نہیں ہوتا۔ ہمیں خود سب ٹھیک کرنا ہوتا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو آنٹی کا ضبط جواب دے جائے اور آپ کے ہاتھ عمر بھر کا پچھتاوا آئے۔ آنٹی، رشتوں، محبتوں کی ڈسی ہوئی ہیں۔ ماں، باپ، بہنیں، شوہر کوئی غم گسار نہیں تھا۔ انہیں کوئی ایسا شانہ نہیں ملا جس پہ سر رکھ کر کتھارسس کر سکیں۔ ان کے مردہ تن میں محبت کی گرمی پہنچایئے۔ ان کی ذات کو قلعے سے نکالنا ایک بیٹے کا کام ہے۔ انہیں محبت، مان دیجیے۔ ان کی کچلی ذات کا غرور لوٹایئے۔ بتایئے کہ وہ آپ کے لیے خاص ہیں۔ وہ پھر سے جی اٹھیں گی۔" سامنے بیٹھی نازک سی لڑکی قطرہ قطرہ لفظ اس کے اندر اتار رہی تھی وہ بغور دیکھ رہا تھا اسے۔

"خود کو اور آنٹی کو بدل لیے عفان۔ آنٹی کی محبت آپ کی محرومی کا مداوا بن جائے گی۔" اسے غور وخوض کرتا چھوڑ کر اٹھ گئی۔ وہ کتنی ہی دیر اس کی خالی کرسی پہ نظریں جمائے اس کا اک اک لفظ دہرا رہا تھا۔ اس کے قدم میکانکی انداز میں اٹھے اور مما کے دروازے پہ جا کے اس نے ناب گھمائی۔ دروازہ کھلا تھا۔ مما آنکھوں پہ بازو رکھے لیٹی ہوئی تھیں۔ نائٹ بلب کی کم روشنی میں اس نے مما کو بغور دیکھا۔ کمزور زندگی سے بے زار وجود اس کے سامنے تھا۔ وہ نیچے کارپٹ پہ ان کے پیروں کے پاس گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔ پھر خبر ہی نہ ہوئی کب اس کی پیشانی مما کے پیروں سے جا لگی اور ان کے پیر بھیگنے لگے مما جاگ رہی تھیں جھٹکے سے اٹھ بیٹھیں۔

"عفی!" ہزار ڈر اندیشے تھے جیسے وہ اپنے ساتھ کی گئی ناانصافیوں پہ بازپرس کرنے لگے گا۔

"مما مجھے معاف کر دیں۔" وہ ان کے آگے دونوں ہاتھ جوڑے بیٹھا تھا۔ مما نے تڑپ کر اسے خود سے لگا لیا۔

"میں تمہاری گناہ گار ہوں بیٹا مجھے معاف کر دو۔" کتنی ہی دیر دونوں اک دوسرے میں کھوئے رہے تھے۔

☼ ☼ ☼

صبح ہو چکی تھی۔ سورج کی کرنیں روزنوں میں گھسی جا رہی تھیں ورکنگ ڈے تھا۔ سو سب کو اپنی منزل پہ پہنچنے کی جلدی تھی۔ سب ناشتہ کر رہے تھے۔ اگلے ہی لمحے ہر کوئی ساکت رہ گیا۔ اپنے لیے چائے نکالتا عفان مصطفیٰ دنگ رہ گیا۔ سامنے سے مما سفید ساڑھی جس کے کنارے ڈارک پرپل کلر کے تھے پہنے چلی آ رہی تھیں۔ عفان مصطفیٰ چیئر پیچھے دھکیل کر مما تک گیا۔

"مما یو آر لکنگ ویری پریٹی۔" وہ بچوں کے سے اشتیاق سے مسرت کا اظہار کر رہا تھا۔ لینہ عباس کے ساتھ سب ہی مسکرا دیے۔

"یہ کیا نیا ڈرامہ ہے؟" دادو کی دبنگ آواز پہ مما ہراساں ہو کر عفان مصطفیٰ کے پیچھے چھپ گئیں۔ وہ آج بھی اتنی ہی ڈرپوک تھیں جتنی پہلے ہوا کرتی تھیں۔ عفان کے ساتھ سب کو دادو کا انداز برا لگا۔

"اماں! مصطفیٰ کے انتقال کو چوبیس سال ہو چکے

ہیں اپنی زندگی کے چوبیس برس راحمہ نے ایک بیوہ کی طرح کاٹے ہیں آپ کی غیر منطقی باتیں برداشت کیں۔ اب جب یہ جینا چاہتی ہے تو پلیز اسے جینے دیں۔ پہلے ہی میں نے آپ کی ناگوار باتیں نظرانداز کیں۔ ظلم ہوتے دیکھ کر اس کے لیے آواز بلند نہ کرنا گناہ ہے۔ ہم میں راحمہ جتنا برداشت کا مادہ نہیں ہے۔ میں نہیں چاہتا ہمارے گھر میں کوئی تماشا ہو۔"

بڑے تایا کی دبنگ آواز پہ دادو خائف ہو گئیں۔ دادا جی کے بعد بڑے تایا کا فیصلہ حرف آخر ہوا کرتا تھا۔ دادو کو احساس ہو گیا کہ بیٹے نے آج ان کی سلطنت چھین لی۔ جب تک دادا جی کا سایہ تھا ان کی چلتی تھی اور آج بیٹا انہیں بتا رہا تھا کہ ان کی سلطنت زوال پذیر ہو گئی۔ دادو چپ رہ گئیں۔ مما انہیں یکدم بہت بہادر لگنے لگیں۔

"راحمہ، مصطفیٰ ہمارا چہیتا بھائی تھا اس کی بیوہ کی نسبت سے تم ہمیں ہمیشہ عزیز رہو گی۔" چھوٹے تایا نے مما کے سر پہ ہاتھ رکھا۔ مان کے احساس نے ان کی آنکھیں نمناک کر دیں۔

"اماں مجھے معاف کر دیں۔" دادو کے دونوں ہاتھ تھامے گھٹنوں پہ پیشانی ٹکائے مما رو رہی تھیں۔ کتنی دیر دادو برداشت کرتی رہیں۔ لیکن مما کا چہرہ اوپر نہیں اٹھا تو ان کا دل بند ہونے لگا۔ مصطفیٰ جب بھی کوئی غلطی کرتے تھے تو اسی طرح معافی مانگتے تھے۔ شادی کے بعد بھی انہوں نے دادو سے اسی طرح ان کے گھٹنوں پہ پیشانی ٹکا کر ان کے ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے معافی مانگی تھی۔ ان کی اس ادا پہ بڑی سے بڑی غلطی معاف کرنے والی دادو نے ان کو جھٹک کر الگ کر دیا تھا۔ مصطفیٰ چلے گئے اور ان کے دل میں خلش چھوڑ گئے کہ کاش وہ انہیں معاف کر دیتیں۔ اب مما ان سے معافی کی خواستگار تھیں۔ دادو نے مما کا چہرہ اٹھایا۔ ان کے مصطفیٰ کو عشق تھا اس چہرے سے آنسوؤں سے بھیگا درد میں ڈوبا چہرہ انہوں نے بے ساختہ سینے سے لگا لیا۔

"میں نے معاف کیا تمہیں۔ تم بھی مجھے معاف کر دو۔ تمہیں دکھ دیتی ہوں تو میرا مصطفیٰ بھی یقیناً" دکھی ہوتا ہو گا۔ دعا کرو وہ پرسکون ہو جائے۔" سب ہی کی آنکھیں جھلملا گئی تھیں۔ دادو کا پگھلنا لوہے کی مترادف تھا۔ مگر تغیر سے کیسے انکار ہے۔ پتھر دل بھی کبھی کبھی موم بن جاتے ہیں۔ بڑی چھوٹی تائی چاچی سب نے مما کو گلے لگایا تھا۔ مما نے جیسے آج نیا جنم لیا تھا۔

"چھوٹی چاچی اتنا بڑا حادثہ آخر ہوا کیسے؟" تابش کو اب تک وہ بندہ نظر نہ آیا۔ دائرے میں موجود سب کی نظریں مما پہ اٹھ گئیں۔

"یہ تو تم اپنے گروپ کے گیارہویں جادوئی ممبر سے پوچھو۔ جسے پتھر میں جونک لگانا آتا ہے۔" مما کے مسکراتے جواب پہ سب کی نظریں گیارہویں ممبر پہ جم گئیں۔ بیک وقت سب کی نظریں خود پہ محسوس کر کے گود پہ رکھا کشن ہاتھوں میں تھام کر لینہ عباس نے چہرے پہ رکھ لیا۔ اس حرکت پہ سب ہنس دیے تھے۔ عفان مصطفیٰ نے کشن نیچے سے کھینچا بے حد مسکراتے ہوئے ہولے سے کہا۔

"تھینک یو۔"

☼ ☼ ☼

"سحر ولا۔" کا ہر مکین آج کل خوش تھا۔ دادو اور مما کی دوستی پہ ینگ جنریشن نے گھر میں چھوٹی سی پارٹی کی تھی۔ پھپھو کو دادو کا مما کو قبول کرنا ذرا انہیں بھایا تھا سو انہوں نے شرکت سے معذرت کر لی۔ دادو کو ان سے ایسی کم ظرفی کی امید نہیں تھی۔ دادو پھپھو کے کہے پہ آنکھیں بند کر کے چلتی تھیں آج انہیں احساس ہوا کہ ایسا کر کے انہوں نے سراسر غلط کیا تھا۔ مما شادی ہو کر آئیں تو دادا کے کان پھپھو ہی بھرتی تھیں۔ دادو نے پھپھو کی نظر سے دیکھنا چھوڑا تو انہیں سب اچھا لگنے لگا۔ لڑکے لڑکیوں کی بے تکلفی پہ اکثر دادو کو کہتیں۔ "گھر میں جوان لڑکے، لڑکیاں ہیں آپ آنکھیں کھلی رکھا کریں کل کو یہ کوئی حد پار کر گئے تو روتی رہیں گی۔" اور دادو کو ان کی ہنسی مذاق سے چڑ ہو گئی۔ ان کی شرارتیں اتنی معصوم ہوتی تھیں کہ ہنسی آ جاتی تھی۔ ابھی کل ہی تو وہ پانچوں لاؤنج میں موجود تھے۔ عفان مصطفیٰ کارپٹ پہ پیر پھیلائے آنکھوں پہ بازو رکھے لیٹا ہوا تھا۔ اس کے گھٹنے پہ ہاتھ مارتے حشام ساتھ بیٹھ گیا تھا پھر ان میں کسی بات پہ بحث ہونے لگی تو عون جھنجلا کر تابش کو گھسیٹ کر اٹھانے لگا۔

"تو چل میرے ساتھ۔"

"کیوں؟" تابش حیران تھا۔

"امی کے پاس۔"

"کیوں؟"

"امی سے مار کھلاؤں گا تجھے۔" عون نے اتنی معصومیت سے کہا تھا کہ خود دادو مسکرائے بغیر نہ رہ سکی تھیں۔ آج شام ہی عون پریزنٹیشن کا کام کر رہا تھا۔

"یار پریزنٹیشن میں ہمارے سر نے اولڈ وومن کا اسکیچ بنانے کہا ہے تاکہ جھریاں وغیرہ دکھا سکیں۔"

"دادو کا بنا لو۔" علی نے آرام سے مشورہ دیا۔

"بنا تو لوں۔ لیکن دادو کے چہرے پہ جھریاں وغیرہ کہاں ہیں؟" عون کے جملے پہ سب ہی تائیدی انداز میں سر ہلانے لگے۔ لڑکیاں دادو کو بیوٹی کوئن گردان رہی تھیں ایسے میں تابش نے سنجیدگی سے مشورہ دیا۔

"تم بلا جھجک دادو کی تصویر اسکیچ کر لو۔ نیچے لکھ دینا۔ "ماڈرن دادو" یقین کرو پریزنٹیشن میں فرسٹ پرائز تم کو ہی ملے گا۔" فلک شگاف قہقہہ پہ دادو بھی ہنس پڑی تھیں۔ کتنے معصوم و شرارتی تھے وہ اور وہ انہیں کیا سمجھتی رہی تھیں۔ انہیں ماضی کے رویے پہ تاسف ہونے لگا۔ رات کے کھانے کے بعد بڑوں کی محفل جمی تو بات چلتے چلتے شادی پہ جا رکی۔

"علی! شادی کے کب تک ارادے ہیں؟" بڑے تایا استفسار کر رہے تھے۔ ان سب میں چونکہ علی ہی سب سے بڑا تھا۔ اسی کا ذکر ہوا۔

"اک سال بعد پھا۔" علی کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔

"کمٹ منٹ ہے کسی سے؟" سوال پہ علی خفت سے سرخ ہو گیا۔ شیطانوں کی معنی خیز مسکراہٹ ظاہر کر رہی تھی کہ اس کا حشر کیا ہونے والا ہے۔

"جی۔" اس نے ہولے سے اعتراف کیا۔

"نمرہ میرے فرینڈ کی سسٹر ہے۔"

"اک سال کی پخ کیوں؟" بڑے تایا بھی سوال کر رہے تھے۔

"نمرہ بی ایڈ کر رہی ہے۔ لاسٹ ایئر ہے اس کا۔"

"نمرہ بی ایڈ کے بعد شادی کرنا چاہتی ہے اچھی بات ہے اور تابش میاں آپ کا کیا حال ہے؟" علی کی جان چھوٹی تو تابش کی شامت آ گئی۔ سب ہی ان کی درگت پہ محظوظ ہو رہے تھے۔

"کہیں تم نے بھی کسی سے کمٹ منٹ تو نہیں کی؟" چھوٹے تایا شوخی سے پوچھ رہے تھے۔

"نا تاؤ جی ایک بار ممی نے کہا تھا صرف گھر کی لڑکیوں کی عزت پہ جان کرنہ کرنا کہ یہ تمہاری بہنیں ہیں بلکہ ہر راہ چلتی لڑکی کسی نہ کسی کی بہن ہے۔ ان پہ ہوٹ نہ کرنا انہیں بھی بہن سمجھنا سو مجھے تو ہر کوئی اپنی بہن ہی لگتی ہے۔" تابش کی بے چارگی پہ قہقہے چہار سو بکھر گئے تھے۔ حشام کے بعد عفان کی باری آئی تھی۔

"پہلے اسٹڈی کمپلیٹ کر لوں۔" اس نے جان چھڑانی چاہی۔

مگر تاؤ جی خاص نیت سے بیٹھے تھے۔ اصرار پہ اسے کہنا پڑا۔

"کمٹ منٹ ہے تاؤ جی۔"

"یعنی تم کسی کو پسند کرتے ہو؟"

"جی۔" جھینپتے ہوئے جواب دیا۔ پھر تاؤ جی نے باری باری لڑکیوں سے بھی استفسار کیا کہ اگر انہیں کوئی اچھا لگتا ہے تو اس کا نام بتا دیں۔ اس پر تائی جی نے انہیں سرزنش کی کہ بچیاں شرما رہی ہیں اور تایا جی گویا ہوئے تھے۔

"لڑکے اور لڑکیوں دونوں کو یہ سوال جھینپنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ اس جھجک کی وجہ سے ہم بچوں کے ساتھ زیادتی کرتے ہیں۔ شریعت میں دونوں کی پسند کو اہمیت دی گئی ہے۔ ہماری سوسائٹی میں لو میرج کو برا سمجھا جاتا ہے لو میرج کا مطلب یہ نہیں کہ گھروں سے بھاگ کر

شادی کی جائے لڑکے یا لڑکی کو کوئی پسند ہے تو والدین کو بتائیں اور والدین کا بھی فرض ہے کہ ان کی پسند نہ صرف بیاہ لائیں بلکہ آنے والی لڑکی کو دل سے قبول کریں۔ ہمارے علی نے نمرہ کو پسند کیا ہے کل کو وہ بیاہ کر یہاں آجائے گی تم اسے اتنی ہی محبت دینا جتنا اپنی پسند کردہ بہو کو دینے کا تم نے سوچ رکھا ہے۔ بچوں کی پسند کو انا کا مسئلہ بنانا مصطفیٰ اور راحت جیسی کہانیوں کو جنم دینے کے مترادف ہے۔" بڑے تایا جی کا ایک ایک حرف صحیح تھا دادو بھی دل سے قائل ہو گئیں۔ بڑوں کی نشست برخاست ہوئی تو سب ایک دوسرے کی کھنچائی میں لگ گئے۔

"گھٹیا انسان دوست کی بہن پہ نظر ڈالتے تجھے شرم نہ آئی؟" یہ عون تھا جو علی کو غیرت دلانے کو کوشاں تھا۔

"آپ کو کون پسند ہے؟" سب شرارت کر رہے تھے جب لینہ نے عفان سے سوال کیا۔

"سوری اٹس ٹاپ سیکرٹ ناؤ۔"

"مجھے بھی نہیں بتائیں گے؟" اس نے بھرپور نظروں سے اسے دیکھا۔

"جب کبھی میں نے اپنا یہ سیکرٹ کسی سے شیئر کیا تو یقین کریں وہ ہستی آپ ہوں گی۔" وہ بتانے کے موڈ میں نہیں تھا۔ وہ منہ بسور کے اٹھ گئی۔ وہ اس کی اس حرکت پہ بے ساختہ مسکرا دیا۔ دل کو چاہا بتا دے وہ تم ہی ہو مگر وہ سب شیطان یہیں موجود تھے۔

☼ ☼ ☼

"عفی کیا کر رہے ہو؟" ان کے بیڈ روم کا دروازہ دھاڑ سے کھلا تھا۔ ایک کے بعد ایک وہ چھ اندر تھیں۔ سب میں آگے وردہ تھی اسی نے پوچھا تھا۔ وہ چاروں اک ہی بیڈ پہ دراز تھے جبکہ عفان مصطفیٰ سسٹم کے پاس کھڑا کام کر رہا تھا۔

"آفیشل لیٹر کا پرنٹ آؤٹ نکال رہا ہوں۔"

"کتنی دیر میں فری ہو جاؤ گے؟" اب کے اذی نے لب کشائی کی۔

"پانچ سات منٹ لگیں گے۔"

"اس کے بعد تم ہم لڑکیوں کو اسنوپی لے کر جا رہے ہو۔" اریج نے دھونس سے کہا۔

"کزنز یہ دھونس ہے یا پیار؟" اس نے مسکراتے ہوئے پرنٹر کا بٹن پریس کیا۔

"جو سمجھ لو۔" دانیہ کا اسٹائل شاہانہ تھا۔

"میں تو پیار ہی سمجھوں گا۔" مسکراتی شوخ نظریں لائیٹ پنک سوٹ میں ہم رنگ شال لیے لینہ عباس پر تھیں جو علی سے نیوز پیپر پہ کچھ ڈسکس کر رہی تھی۔

"ٹھیک ٹھیک بتاؤ چل رہے ہو یا ان کی طرح بہانے گھڑو گے؟" عمامہ نے چاروں کو غضبناک نظروں سے دیکھا۔ وہ جان گیا ان چاروں کی منت کرنے کے بعد اس سے رابطہ کیا گیا ہے۔

"تم سب گاڑی میں بیٹھو میں آرہا ہوں۔" وہ پرنٹر سے پیپر نکال کر چیک کرنے لگا۔ لڑکے بھی تیار ہو گئے تو گویا اک محاذ کھل گیا۔ سب ایک دوسرے پہ لفظوں سے گولہ باری کرنے لگے۔

"اللہ کرے تمہیں ایسی بیوی ملے کہ تم لڑتے رہو اور وہ تمہیں سنے بھی نہیں۔" عون کے چیخنے پہ اذی نے بددعا دی۔

"عون یار دل پہ نہ لینا۔ میں نے سنا ہے ہر کسی کی دعا قبول نہیں ہوتی۔" حشام کے سائڈ لینے پہ لڑکیاں چیخنے لگی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد وہ اسنوپی میں آئسکریم فالودہ انجوائے کر رہے تھے۔ عفان نے ساتھ بیٹھی لینہ عباس کے کپ سے فالودہ شیئر کیا تھا۔ اس حرکت پہ وہ اسے دیکھنے لگی۔

"آپ کو برا لگا؟" اس نے پوچھا۔ تمام کزنز ایک دوسرے کے کپوں کو بری نیت سے دیکھتے شیئر کر رہے تھے اس نے نفی میں سر ہلایا۔

☼ ☼ ☼

عیدالاضحیٰ کا چاند نظر آگیا تھا۔ لڑکیوں کو عید کے جوڑوں، جوتے، چوڑیوں کی پڑی تھی تو لڑکوں کو قربانی کے جانور کی۔ عون نے تو بڑے تایا سے ضد کرنا شروع

کر دی تھی کہ قربانی کا جانور جلد لایا جائے ورنہ وہ ناراض ہو جائے گا۔ اس کی بچکانہ ضد پہ بڑے ہنستے رہے تھے۔ پھر انہوں نے قربانی کا جانور لانے کی ذمہ داری انہیں سونپ دی۔ چھٹی کا دن تھا تمام ہی لڑکے تیار ہو گئے اور تو اور لڑکیاں بھی ضد کر کے تیار ہو گئی تھیں۔ لینہ عباس نے منڈی جانے سے معذرت کی لیکن "غدار" کا لقب سننا پڑا اور اب منڈی میں ان کا گروپ سرگرم عمل تھا۔ لڑکیاں گاڑی میں ہی بیٹھی ہوئی تھیں لڑکے مذاق اڑا رہے تھے۔

"غضب خدا کا اتنے روپوں میں تو میں دو تین انسان خرید لوں۔" بیل کی قیمت سن کر تابش بدک گیا۔

"تو پھر جانوروں کی منڈی میں کیا کر رہے ہو۔" بیل والے کو اس کا جملہ نہ بھایا۔ عون بیل کی دم چیک کر رہا تھا۔ "دانت پورے ہیں" عون بیل کا منہ دیکھنے کو جھکا تو اس کا مالک جلبلا گیا۔ غالباً "بیل اس کا چہیتا تھا۔ تب ہی عون کی کارروائی گراں گزر رہی تھی۔

"اصلی ہیں نہ؟" حشام نے بذلہ سنجی دکھائی۔

"آپ اس کی صحیح قیمت بتائیں۔"

عفان بیل لینے کے موڈ میں تھا وہ لوگ بھی باہر اتر گئی تھیں گاڑی سے۔ بیل والا عفان سے مول تول کرنے لگا تو عون نے رازداری سے بیل کی سینگیں کھینچ کر اصلی اور نقلی کا پتہ لگانا چاہا۔ بیل کو یہ چیکنگ ایک آنکھ نہ بھائی اس نے اپنا منہ عون کی طرف کیا۔ عون جلدی سے پیچھے ہٹ گیا۔ بالآخر یہی بیل خرید لیا گیا۔ کھلی گاڑی میں بیل کے ساتھ عون، تابش اور حشام چلے گئے تو وہ لوگ بھی اپنی گاڑی کی طرف بڑھنے لگے۔ تبھی کہیں سے رسہ تڑوا کر موٹا تازہ بیل بھاگ کھڑا ہوا۔ منڈی میں شور مچ گیا۔ خریداری کو آئیں خواتین، لڑکیاں خوف سے چیخنے لگیں۔ ان سب کی چیخ بے ساختہ تھی۔ بیل کا رخ انہی کی طرف تھا۔ دانیہ، اریج، اذی اور عمامہ حواس قابو میں کرتے سائیڈ پہ ہو گئی تھیں۔ وردہ اور لینہ خوف سے اپنی جگہ کھڑی رہ گئی تھیں۔ عفان نے ان دونوں کو کھینچ کر اپنے پیچھے کر لیا "لینہ بچنا" بیل کی سینگ بائیں شانے کی پشت سے رگڑ کھاتی چلی گئی۔ لوگ بیل پکڑنے کی کوشش میں بھاگ رہے تھے۔ اس کے شانے سے بہتے خون پہ حواس باختہ ہوتی لینہ نے اپنی ہتھیلی اس کے شانے کی پشت پہ رکھ دی۔

"عفی خون۔" وہ بے ساختہ چلائی۔ علی ان چاروں کے پاس کھڑا تھا عفان کو زخمی ہوتے دیکھ لیا تھا اس نے وہ سرعت سے ان تک آیا۔

"عفی ہاسپٹل چلو بہت خون نکل رہا ہے۔" اس کی جان پہ بن آئی تھی۔

"میں ٹھیک ہوں۔" اس نے اپنی پشت سے لگی لینہ کو تسلی دی۔ اس نے بائیں ہاتھ سے اس کا بازو گھیرے میں لے کر دایاں ہاتھ زخم پہ سختی سے جما کر اسے مڑنے سے روکا۔

"زیادہ موومنٹ مت کیجئے۔ بلیڈنگ بہت ہو رہی ہے۔" کمزور دل لڑکی خون دیکھ کر رو دینے کو تھی۔ علی گاڑی نکال لایا۔ تھوڑی دیر بعد وہ قریبی ہاسپٹل میں تھے۔ گوشت پھٹ گیا تھا۔ ڈاکٹر نے ٹانکے لگائے تھے۔

"تم سب کے منہ تو ایسے بنے ہوئے ہیں جیسے ٹانکے تم لوگوں کو لگے ہوں۔" عفان مصطفیٰ ان کے فکرمند چہروں کو دیکھتے مسکراتے ہوئے گویا تھا۔

"ٹانکا لگواتے ہوئے بہت درد ہوا تھا؟" لینہ عباس اتنی معصومیت سے سوال کر رہی تھی کہ نہ چاہتے ہوئے بھی سب کے سب مسکرا دیے۔ خود عفان کی

بیوٹی بکس کا تیار کردہ
سوہنی ہیئر آئل
گھٹتے ہوئے بالوں کو روکتا ہے
بال لمبے اور گھنے کرتا ہے
ملنے کا پتہ: ۳۷ ، اردو بازار ، کراچی

مسکراہٹ بھرپور تھی۔ فکرمند چہرے کو اس نے محبت سے دیکھا پھر ہولے سے گویا ہوا۔

"نہیں۔"

✲ ✲ ✲

سب ہی عفان مصطفیٰ کو وی آئی پی ٹریٹمنٹ دے رہے تھے۔ تایا جی نے اسے آفس سے چھٹی دے دی تھی۔ گھڑی گھڑی مما دلیہ، جوس لیے آ رہی تھیں تو کبھی تائی چاچی اسے ڈانٹنے لگتی تھیں کہ زیادہ ہلو نہیں ٹانکے کھل جائیں گے۔ سب کی نصیحتیں سن کر وہ خود کو کسی خطرناک بیماری میں مبتلا محسوس کر رہا تھا۔ حادثے کا سن کر دادو نے کالے بکرے کا صدقہ دیا تھا۔ وہ یک ٹک دادو کو دیکھتا رہا تھا اور دادو اسے۔ عزیز بیٹے کا جگر گوشہ تھا وہ، وہ آج تک اسے دشمن کی نگاہ سے دیکھتی رہی تھیں۔ برے نام سے پکارتی رہیں۔ اس نے پلٹ کر کبھی جواب نہیں دیا تھا۔ اب اگر اسے کچھ ہو جاتا تو کون بنتا ان کے مصطفیٰ کا وارث؟ بعض سوال اتنے کڑے ہوتے ہیں کہ جواب میں ہار جانے کو دل چاہتا ہے مگر وہ بڑی تھیں۔ یہ بات محسوس کر کے عفان مصطفیٰ ان تک گیا۔

"دادو مجھے معاف کر کے گلے لگا لیں۔" لہجہ اتنا معصوم تھا کہ اگلے ہی پل دادو کی آنکھوں سے ندامت کے موتی بہنے لگے۔ اس نے خود ہی دادو کے بوڑھے وجود کو اپنے مضبوط بازوؤں میں بھر لیا۔ تمام گلے شکوے مٹ گئے تھے۔

✲ ✲ ✲

دروازے پہ دستک دے کر لینہ عباس کمرے میں داخل ہوئی۔ وہ سسٹم آن کیے گانے سننے کے ساتھ ساتھ کام بھی کر رہا تھا۔

"عفان، عون ہے یہاں؟" اس نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

"یہاں تو نہیں ہے۔ بیل کی خدمت میں لگا ہو گا۔"

"وہاں بھی دیکھ آئی ہوں۔"

"کوئی کام ہے اس سے؟"

"کام تو ہے مگر چاچی کو وہی ڈھونڈتی رہی ہیں اسے۔" وہ دروازے پہ کھڑی گویا تھی۔

"ہو سکتا ہے باہر گیا ہو۔ حشام کے ساتھ کہیں جانے کی بات تو کر رہا تھا۔"

"اوکے۔" وہ پلٹنے لگی۔

"لینہ!" جانے کس جذبے کے زیر اثر پکار بیٹھا۔

"ہوں۔" وہ متوجہ ہوئی۔ وہ چیئر پیچھے دھکیل کر اٹھ کھڑا ہوا۔ قدم کمرے کے بیچوں بیچ آ کر رک گئے۔ پیچ کلر کے سوٹ میں ہم رنگ شال شانوں پہ ڈالے منتظر نگاہوں سے اسے ہی تک رہی تھی۔

"مجھے تم سے کچھ باتیں کرنی تھیں۔"

"کہیے۔"

"یوں کھڑے کھڑے سنو گی؟"

"آفر کرو گے تو بیٹھ بھی جاؤں گی۔" وہ شوخی سے گویا ہوئی۔

"پلیز۔" وہ اس کے اشارے پہ کشن پہ بیٹھ گئی۔ دوسرا کشن گھسیٹ کر وہ مقابل بیٹھ گیا۔ بلیک جینز لائیٹ پنک ہائی نیک میں ملبوس خوب صورت ہیئر کٹ کے ساتھ کسی قدر الجھا نظر آ رہا تھا۔

"اینی پرابلم عفان؟" ہمدردی سے استفسار کیا۔ اس نے نظریں لینہ کے چہرے پہ جما دیں۔ نفی میں سر ہلاتے گویا ہوا۔

"پرابلم تو پہلے تھی۔ مگر تم نے آ کر سارے پرابلم حل کر دیے۔ مما کو اک نئی زندگی دی۔ خود میں تمہارا شکریہ ادا کرنے کی ہمت نہیں پاتا۔" نظریں ممنون تھیں۔

"ڈونٹ بی فارمل عفان۔ میں نے ایسا کچھ نہیں کیا۔" وہ انکساری سے جھجکی۔

"تم نہ مانو مگر تمہاری ذات نے مجھے جینے کا ڈھنگ سکھایا۔ پہلے جو زندگی بیتی بے کار لگتی ہے۔ کسی حد تک سائیکو پرسنالٹی تھا میں۔ مما کی بے گانگی کا بدلہ خود کو اگنور کر کے لیتا رہا۔ دادو کے ہر طنزیہ ضد میں آ کر وہی کام کرتا جس سے انہیں چڑ ہوتی۔ تم نے سکھایا کہ کسی بھی عمل کا الٹ ردعمل کبھی نہیں دینا چاہیے۔ کوئی نفرت کرے تو جواب میں محبت دو۔ کوئی اگنور کرے تو اسے اہمیت دو تاکہ زیادتی کرنے والے کا ضمیر اسے خود ملامت کرے۔ نفرت کا جواب نفرت سے تو ہر کوئی دیتا ہے۔ کوئی ہمیں اک بار اگنور کرتا ہے تو ہم اسے دس بار اگنور کرتے ہیں۔ یہ درست نہیں ہے اس سے دلوں میں دوری آجاتی ہے انجانی خلیج دن بہ دن بڑھتی چلی جاتی ہے۔ اک دن یہ خلیج اتنی بڑھ جاتی ہے کہ رشتوں کی ڈور ٹوٹ جاتی ہے۔ پھر بھلے لاکھ گانٹھ لگے پہلے جیسی پائیداری نہیں ملتی۔ تمہارے اندر موجود سب اچھا دیکھنے کی لگن نے نہ صرف ہمارے درمیان موجود ڈور کو ٹوٹنے سے بچایا۔ مجھے نیا روپ بخشا۔ میرے جذبوں کو جگا کر احساس دلایا کہ میں بھی نارمل انسان ہوں۔ تمہارے وجود نے میری تنہائی، میرے اکیلے پن کو ختم کیا۔" عفان مصطفیٰ پوری سچائی سے گویا تھا۔ اس کے لبوں سے ادا ہوتے ہر جملے پہ لینہ عباس کا منہ کھلتا جا رہا تھا۔

"تمہاری آمد کے روز اول سے تمہارے وجود نے آکٹوپس کی طرح مجھے جکڑ لیا۔ تمہارے وجود کے سحر سے میں بچ نہ سکا۔ ان فیکٹ میں ایسا چاہتا بھی نہیں تھا۔ میں نے بہت بے رنگ زندگی گزاری تھی۔ صنف نازک کے لیے کبھی اس نظریے سے سوچا بھی نہیں تھا لیکن اب میرا پاگل دل چاہتا ہے کہ میں جب بھی رات دیر سے آؤں تو تم میرا انتظار کرو۔ مجھے کافی بنا کر دو۔ جب کبھی مجھے کوئی زخم آئے تو تمہارا ہاتھ مرہم بن کر زخم پہ آ پڑے تاکہ مجھے کسی درد، کسی اذیت کا احساس نہ ہو۔ میں ایک نئی زندگی میں ڈھلنا چاہتا ہوں۔ تمہارے ساتھ بہت دور تک چلنا چاہتا ہوں لینہ۔" عفان مصطفیٰ دلی جذبات آشکار کرتا جا رہا تھا۔ وہ ساکت رہ گئی تھی۔

"عفان پلیز۔" اس نے ہاتھ اٹھا کر اسے مزید کچھ کہنے سے باز رکھا۔

"تمہیں میرے انداز سے ایسا کب لگا عفان۔" وہ ٹھٹک کر اس کا پریشان چہرہ دیکھنے لگا۔

"تم مجھے پسند نہیں کرتیں؟" لب کچلتے اس نے نفی میں سر ہلایا پھر بغور عفان مصطفیٰ کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں اسی کا عکس روشن تھا۔

"میں تمہیں اپنی زندگی میں شامل کرنا چاہتا ہوں تو کیا قباحت ہے اس میں؟"

"عفان آئم آل ریڈی انگیجڈ عفان۔" لینہ عباس نے ہولے سے جیسے صور پھونکا تھا۔ وہ پہلے سمجھ نہ پایا جب جملے کا مفہوم سمجھ آیا تو شاکڈ رہ گیا۔

"تم مذاق کر رہی ہو؟" وہ بے یقین تھا۔

"ایک برس قبل میری انگیجمنٹ ہو چکی ہے وہیں سعودی عربیہ میں۔ ہمارے پڑوسی ہیں وحید۔ ان کی فیملی سے ہمارے پرانے تعلقات ہیں۔" سر جھکائے وہ گویا تھی۔ وہ ساکت نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ غیر متوقع حقیقت اس سے قبول نہیں کی جا رہی تھی۔

"میری ہمیشہ سے کوشش رہی کہ میرے آس پاس سب خوش رہیں۔ میرے کسی انداز سے اگر تمہیں غلط فہمی ہوئی تو میں معذرت چاہتی ہوں عفان۔" وہ بوجھل دل سے اٹھ گئی۔ عفان ساکت بیٹھا رہ گیا۔

✲ ✲ ✲

عفان مصطفیٰ کی بے رنگ زندگی میں نیا رنگ بھرا ہی تھا کہ رنگ پھیکے پڑ گئے۔ وہ جس نے کبھی محبت کرنے کے بارے میں سوچا بھی نہیں تھا اسے پہلی نظر کی محبت ہوئی بھی تو کس سے جو پہلے ہی کسی سے انگیج تھی۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا وہ کسے قصوروار ٹھہرائے۔ لینہ عباس کو، جس نے اسے رنگین جذبوں سے روشناس کرایا۔ خود کو، جس نے دل کی انگلی تھامے خوابوں کا ریت گھروندا بنا لیا تھا، یا پھر قسمت کو۔ پوری رات اس نے تپتے لاوے میں بہتے ہوئے گزاری تھی۔ تشنہ وجود العطش، العطش چلا رہا تھا۔ آنکھیں صحرا کی طرح ویران ہو گئی تھیں۔ ایک ہی رات نے اسے سوکھا درخت بنا ڈالا تھا۔ در و دیوار کاٹنے لگے تو آفس چلا آیا۔ دن بمشکل گزرا تو دل نے

گھر جانے سے انکار کر دیا۔ گھر جاتا تو وہ دشمن دل نظر آتی اور محرومی کا احساس دو چند ہو جاتا۔ لمبی آڑھی ٹیڑھی سڑکوں پہ کوئی کب تک رہ سکتا ہے۔ راستے منزل تو نہیں ہوتے نہ ہی ٹھکانہ بنتے ہیں۔ گھر آیا تو روح فرسا خبر منتظر تھی۔

لینہ کی نانی لوٹ آئی تھیں اور وہ لینہ کو اپنے ساتھ لے جانے آئی ہیں۔ اپنے کمرے میں بند ہو کر اس نے آنکھوں پہ بازو رکھ لیا۔ صبح سب اپنی اپنی راہوں میں چل دیے تھے مگر وہ یونہی پڑا رہا جیسے زندگی ہار آیا ہو۔

"عفی طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟" وردہ تشویش سے استفسار کر رہی تھی اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"تمہیں دادو بلا رہی ہیں۔" وہ اٹھ کر چل دیا تھا۔ لاؤنج میں سب کے درمیان بیٹھی لینہ عباس پہ نظریں اک لحظے کو ٹھٹکیں۔ پھر وہ دادو سے لگ کر بیٹھ گیا۔

"کل سے دیکھ رہی ہوں۔ بجھے بجھے ہو۔ سب کے ساتھ ناشتا بھی نہیں کیا طبیعت ٹھیک ہے نا؟" دادو فکر مندی سے پوچھ رہی تھیں۔ سب کی نظریں اس پہ اٹھ گئیں۔ اس نے بے ساختہ لینہ عباس کو دیکھا اس نے نظریں چرالیں۔

"لینہ کو گھر ڈراپ کر دو۔ سیما تو کل ہی اسے لے جانے پہ بضد تھی مگر میں نے ایک دن مزید روک لیا۔ کتنے پیار سے رہی ہمارے ساتھ۔ ایک دم سے کیسے جانے دیتی۔" دادو گویا تھیں۔ عفان مصطفیٰ کی نظریں خود پہ دیکھ کر وہ مما کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"میں چینج کر کے آتا ہوں۔" واپس آیا تو سب الوداعی کلمات کہہ رہے تھے۔

"لینہ عید ہمارے ساتھ کرنا۔ سعودی عربیہ جانے سے پہلے ضرور ملنا۔" لڑکیاں وعدے لے رہی تھیں ڈرائیونگ سیٹ پہ بیٹھ کر اس نے گاڑی اسٹارٹ کر دی وہ فرنٹ سیٹ پہ بیٹھ گئی۔ گاڑی مین روڈ پہ آگئی تھی۔ گزشتہ واقعے کے بعد سے دونوں میں بات نہیں ہوئی تھی ——————— عفان مصطفیٰ نے ہر دلیل دے کر خود کو بہلانا چاہا تھا۔ وہ کسی کی منگیتر ہے جان کر اس کے خیال کو دل سے نکالنے کی کوشش کی تھی مگر سب بے سود تھا۔ ڈارک پرپل سوٹ پہ وائٹ شال لیے وہ خاموش تھی۔ مرر میں اسے دیکھتے ہوئے اس نے اسٹیریو آن کر دیا تھا۔

سلسلے ملاقاتوں کے نہ چھوڑے گا
ناراضگی میں بھی تعلق نہ توڑے گا

کبھی کبھی دل کی باتیں کہنے کو ہم دوسری چیزوں کا سہارا لیتے ہیں۔ عفان مصطفیٰ نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔

ہم عشق میں آپ کے ہیں رات دن
جینا نہیں ہے گوارا آپ بن
چاہت کا مارا، دل تجھ پہ ہارا
ہے سب سے پیارا، یہ ناتا ہمارا

لفظوں کا عکس عفان مصطفیٰ کے چہرے پہ جھلملا رہا تھا۔ لینہ عباس نے تاسف سے اسے دیکھا۔ دو دن کی بڑھی شیو خاصا تھکا تھکا ظاہر کر رہی تھی۔ اک ہی رات نے اس پہ گہرا اثر چھوڑا تھا۔ اس کا وجود ان دیکھی آگ میں سلگ رہا تھا۔ دونوں ہی اپنی جگہ خاموش تھے۔ وہ گاڑی روک کر اتر آیا۔ سامان نکال کر دروازے پہ رکھا۔ وہ بھی نیچے اتر آئی۔ گاڑی کے بونٹ پہ ہاتھ دھرے نظر اٹھا کر اسے دیکھا وہ بغور اسے دیکھ رہا تھا۔

"جی تو نہیں چاہ رہا تمہیں الوداع کہوں۔ تم اس گیٹ کے اندر داخل ہو جاؤ گی اور میں یہاں کھڑا تمہارے قدموں کے نشان گنوں۔ مگر تمہیں جانا تو ہے۔ مجھے الوداع تو کہنا ہی پڑے گا۔ کیونکہ تمہیں روک لینے کا استحقاق نہیں رکھتا۔" خود اس نے اذیت سے مسکراتے ہوئے لب بھینچ لیے۔

"خود کو اذیت دے کر کچھ حاصل ہے؟" لینہ نے تاسف سے سوال کیا۔

"سب جاننے کے بعد بھی؟" ناصحانہ انداز تھا۔

"میرا دل میرے بس میں نہیں۔" اس نے بے چارگی سے مکا گاڑی کے بونٹ پہ مارا نظر چرا کر اس نے ڈور بیل بجا دی۔ اس دیوانے کی دیوانگی سے اسے خوف آنے لگا تھا۔

"لینہ!" پکار بڑی گمبھیر تھی۔ اسے مڑنا پڑا۔ عفان مصطفیٰ بند مٹھی اس کی طرف بڑھائے مقابل تھا۔

"کیا ہے یہ؟" نظریں بند مٹھی پہ تھیں۔

"آپ ہاتھ تو بڑھائیں۔" اس کی ہتھیلی میکانکی انداز میں پھیل گئی۔ بائیں ہاتھ سے اس کی کلائی تھام کر پھیلی ہتھیلی پہ اپنی خالی مٹھی کھول دی۔

"عفان مصطفیٰ اپنی ساری خوشیاں، ساری محبتیں آپ کے نام کرتا ہے۔" سرعت سے مٹھی بھینچ کر وہ ہراساں نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔ واچ مین نے گیٹ کھول دیا تھا۔ بھینچے لب کے ساتھ مسکرا کر اس نے اندر جانے کا اشارہ کیا۔

✵ ✵ ✵

صندل سی مہکتی ہوئی پر کیف ہوا کا
جھونکا کوئی لہرائے تو لگتا ہے کہ تم ہو

"لینہ!" وہ لان کی نیم تاریک سیڑھیوں پہ کافی دیر سے خود میں گم بیٹھی تھی۔ سرد ہوا شجر سے گلے ملتی شور مچاتی وجود سے ٹکرائی تو دل کے آس پاس اک سرگوشی ہوئی۔

"لینہ!" سرگوشی بڑی مانوس تھی اس نے بے ساختہ چہار سو نظریں دوڑائیں مگر وہ کہیں نظر نہ آیا۔ مانوس سے دکھ نے اسے لپیٹ میں لے لیا تھا۔ ماما، پپا سے فون پہ لمبی بات کر کے "سحرولا" میں گزارے اک اک دن کا ذکر کرتے گفتگو میں کتنی بار عفان مصطفیٰ کا ذکر آیا تھا۔ تب زبان بنا رکے چلتی جا رہی تھی۔ اب جب نانو سونے کی تاکید کر کے چلی گئیں۔ تو وہ شروع دنوں کے چاند کو دیکھتی کہیں کھو گئی تھی۔ اس دیوانے کی باتوں میں جس کے لہجے میں جنون بولتا تھا۔ اس دیوانے کی آنکھوں میں جہاں عشق کروٹ لیتا تھا، سحر کا بسیرا تھا۔ سارے خیال، ساری سوچیں عفان مصطفیٰ تک آکر دم توڑ گئی تھیں۔ اس نے نفی میں سر ہلا کر خود کو باز رکھنے کی کوشش کی تھی۔ دھیان کا ہر رخ وحید کی طرف موڑنے کی سعی کی۔ مگر دھیان منہ زور گھوڑے کی طرح عفان مصطفیٰ کی طرف سرپٹ دوڑے جا رہا تھا۔ اپنے لیے کافی بنانے لگی تو سماعت میں چپکے سے کسی نے سرگوشی کی۔

"میرا پاگل دل چاہتا ہے آپ مجھے کافی بنا کر دیں۔"

کبھی کبھی اک لمحہ ہمیں خود پہ منکشف کر دیتا ہے لینہ عباس بھی جان گئی تھی کہ عفان مصطفیٰ نے اسے اپنے سحر میں جکڑ لیا ہے۔ جب وہ نگاہوں کے قریب تھا تب دل پر سکون تھا۔ اب اس کی دوری پہ دل بے کل ہو رہا تھا۔ دل اسی صورت اسی نگاہ کا طالب تھا۔ موجودہ سچویشن نے اسے ہراساں کر دیا۔ دل کی نگری کب بدلی۔ دھڑکنوں نے کب عفان مصطفیٰ کے نام پہ دھڑکنا شروع کیا وہ بے خبر تھی۔ اپنا وجود عفان مصطفیٰ کو سونپ کر وہ اپنی اور اس کی خوشی کا سامان کرنا چاہتی تھی صرف عفان نہیں وہ بھی اس کے سنگ بہت دور تک چلنا چاہتی تھی۔ مگر بے اختیار، بے بس، لاچار تھی۔ سال بھر پہلے ہی وحید نے اس کے ہاتھ میں رنگ ڈالا تھا۔ وحید کی فیملی سعودی عرب میں ان کے پڑوس میں آباد تھی۔ سالوں سے جان پہچان تھی۔ وحید کے والدین نے مما، پپا سے اسے مانگا تھا اور انہوں نے ہاں کر دی کہ لینہ عباس نے آج تک ان کے کسی فیصلے سے انحراف نہ کیا تھا۔ جب مما نے وحید سے منگنی کے بارے میں بتایا تب وہ چپ ضرور ہو گئی تھی۔ وحید عرب ایئرلائن میں انجینئر تھا۔ خوش شکل خوش گفتار تھا۔ بظاہر اس میں برائی نہیں تھی مگر اس کی بے حجاب نگاہیں لینہ عباس کو کبھی نہیں بھائی تھیں۔ منگنی کے بعد بھی وہ لیے دیے رہتی تھی۔ عفان مصطفیٰ ویسا ہی تھا جیسا اس کے تصور میں لائف پارٹنر کا امیج تھا۔ مگر عفان مصطفیٰ صرف امیج تھا۔ جبکہ وحید اٹل حقیقت اور لینہ عباس کو حقیقت قبول کرنے میں دشواری ہو رہی تھی۔

✵ ✵ ✵

عبید آیا بیٹھا تھا۔ دادو نماز پڑھ رہی تھیں۔ وردہ اسے "آپ بیٹھیے۔" کہہ کر کچن سمیٹنے میں جت گئی۔ سردیوں کی راتیں تھیں۔ سب اپنے اپنے کمروں میں تھے۔ دادو نے ٹھیک سے دعائیں بھی نہیں مانگی تھیں

کہ وردہ کے چیخ چیخ کر بولنے پر جلدی سے جائے نماز لپیٹ کر اپنے کمرے سے نکل آئیں۔ لاؤنج کے منظر نے انہیں اک پل کو ٹھٹھکا دیا۔ عفان نے عبید کا کالر پکڑ رکھا تھا۔ لاؤنج میں تمام فیملی ممبرز کھڑے تھے۔ سب ہی غم و غصے سے سرخ ہو رہے تھے۔ وردہ مما سے لگی چیخ رہی تھی۔

"عفان نکالو اس گھٹیا انسان کو یہاں سے۔ اسے تو دیکھ کر ہی گھن آتی ہے۔"

"کیا ہوا ہے؟ وردہ کیا کہہ رہی ہو تم؟" دادو سچویشن سمجھنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

"عفی، اس کا کالر چھوڑ دو۔" بڑے تایا کی سرد آواز پر اس نے کالر چھوڑ کر اشتعال سے پرے دھکیل دیا۔ عبید تیر کی طرح دادو کے پاس آیا۔

"نانو وردہ جھوٹا الزام لگا رہی ہے۔"

"میں جھوٹا الزام لگا رہی ہوں ذلیل انسان۔ تم نے مجھ سے بدتمیزی کی کوشش کی ہے۔" وردہ کے روم روم سے آگ نکل رہی تھی۔

"نانو۔ یہ مجھے آپ سب کی نظروں سے گرانے کی کوشش کر رہی ہے۔" دادو کے دیکھنے پہ وہ گڑبڑا گیا۔

"میں! تمہیں کیا گراؤں گی۔ تم تو پہلے ہی پستی میں گرے ہوئے ہو۔ شروع سے ہی ہم پہ بری نیت رکھتے ہو۔ فحش باتیں کرتے ہو۔ آج مجھے کچن میں تنہا دیکھ کر تم نے دست درازی کی کوشش کی۔ کتنے گھٹیا ہو تم کہ اپنی کزنز پہ بری نیت رکھتے ہو۔ دادو ہم کزنز عبید سے بدکتی ہیں اس لیے نہیں کہ یہ آپ کا چہیتا ہے صرف اس لیے کہ اپنی گندی نظر سے ہمیں سالم نگلنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔ اس گھر میں ہمارے کتنے ہی کزنز ہیں مگر سب ہمیں بہن سمجھتے ہیں عزت دیتے ہیں اور یہ شخص۔" وردہ کے آنسو نکل گئے۔ مما نے اسے ساتھ لگا لیا۔ عفان نے مٹھیاں بھینچ لیں۔ اگر بڑے موجود نہ ہوتے تو ابھی عبید کا حشر برا ہو جاتا۔

"وردہ ٹھیک کہہ رہی ہے عبید؟" بڑے تایا کا جلال دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔

"وردہ جھوٹ کہہ....."

"اگر وردہ جھوٹ کہہ رہی ہوتی تو تمہاری پچھلی جاب سے تمہیں کریکٹرلیس کا سرٹیفکیٹ دے کر کیوں نکالا گیا؟ جس لڑکی کی شکایت پہ تمہیں نکالا گیا وہ میرے فرینڈ کی سسٹر ہے اس نے مجھے غصے سے کہا کہ اگر عبید تمہارا کزن نہ ہوتا تو میں اپنی بہن سے بدتمیزی کرنے والے کو شوٹ کر دیتا اور میں نے غصے سے کہا تھا کہ اگر تمہارا کزن میری بہن سے بدتمیزی کرتا تو میں پہلے اسے شوٹ کرتا بعد میں تمہیں اطلاع دیتا۔ کیونکہ عزت میں رشتے داری نہیں دیکھی جاتی۔" حشام غصے سے بے قابو ہو رہا تھا۔ عبید کا سر جھکا تھا اگلے ہی پل دادو کا تھپڑ اس کے گال پہ پڑا۔

"دفع ہو جاؤ یہاں سے۔" وہ لب بھینچے بھینچے چیخیں۔ وہ کچھ دیر اور رکتا تو اس کا حشر ہو جاتا۔ ناچار اس نے نکل جانے ہی میں عافیت جانی۔ عبید ان لوگوں میں سے تھا۔ جن کی بے حجاب، بے باک نظریں عورت کے جسم کو نظروں ہی نظروں میں نگلنے کی خواہشمند ہوتی ہیں۔ اس کی بے حجاب و گندی نگاہوں سے ذو معنی باتوں سے لڑکیاں بدکتی تھیں۔ یہ بات انہوں نے اپنے تک ہی رکھی کہ عبید جیسا بھی ہے، ہے تو پھپھو کا بیٹا اور آج اسی پھپھو کے بیٹے نے موقع غنیمت جان کر وردہ سے دست درازی کی کوشش کی تو وہ چپ نہ رہ سکی۔ اسے چپ رہنا بھی نہیں چاہیے تھا۔ بدکار و بدنیت انسان کی پردہ پوشی کر کے خدانخواستہ نقصان بھی اٹھانا پڑ سکتا تھا۔ دادو چہیتے پوتے کو کبھی تھپڑ نہ مارتیں مگر وہ جانتی تھیں اک لڑکی باپ، بھائی کے سامنے اتنا بڑا جھوٹ نہیں بول سکتی ہے۔ لینہ عباس مہینہ بھر رک کر گئی تھی۔ ان کی ہر پل نظر تھی لڑکوں پر مگر انہوں نے انہیں حد کراس کرتے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ لینہ بھی بلا جھجک ان کے پاس بیٹھ جاتی تھی۔ جو اعلان تھا اس بات کا کہ اسے ان لڑکوں پہ بھروسہ ہے۔ اگر ان کے پوتے نیت و نظر کے برے ہوتے تو عبید کی طرح لینہ ان سے بھی بدکتی۔ مگر وہ مطمئن رہتی تھی۔ تھپڑ انہوں نے عبید کو نہیں اپنی اندھی عقل کو مارا تھا۔ وردہ بہت ڈسٹرب ہو گئی تھی۔ سب اس کی دلجوئی

کر رہے تھے۔

"وردہ فارگیٹ اٹ گڑیا۔ ہم ہیں نا تمہارے بھائی۔ ہمیں فخر ہے کہ ہماری گڑیا بہادر ہے جو غلط بات پہ خموش نہیں رہی۔ کہو گی تو عبید کا حشر بھی بگاڑ دیں گے۔" وردہ کا سر شانے پہ رکھے عفان مصطفیٰ اس کی دلجوئی کر رہا تھا۔ دادو کو باکردار اور بدکردار میں فرق نظر آ گیا تھا۔

✲ ✲ ✲

دو دن بعد عید تھی۔ گھر میں عید کی گہما گہمی نظر آ رہی تھی۔ وردہ اس ٹینشن سے نکل آئی تھی۔ لینہ عباس ھلن سے مسلسل رابطے میں تھی۔ عفان مصطفیٰ کے شب و روز گھر والوں کی نظر میں تھے۔ اس کا گم صم رہنا۔ ڈھنگ سے کھانا نہ کھانا۔ اختر شماری کرنا۔ سب کے علم میں تھا مما کے ساتھ سب نے کئی بار استفسار کیا اور وہ ٹال جاتا لینہ عباس کو دیکھے کئی روز بیت گئے تھے۔ وہ کوئی حق بھی تو نہیں رکھتا تھا جو دھڑلے سے جا کر مل آتا۔

"لینہ! کیا کبھی تمہارا دل مجھ سے ملنے کو نہیں مچلتا؟ کتنی ہی بار بے مقصد تمہارے گیٹ تک چکر لگائے ہیں مگر اندر جانے کی ہمت نہیں ہوتی؟ وحید کا احساس بچھو کی طرح ڈنک مارتا ہے۔ میں نے وحید کو نہیں دیکھا، نہ ہی اس کے بارے میں کچھ جانتا ہوں۔ مگر اس کا نام ذہن میں آتے ہی۔ دل میں آگ کی بھٹی جل اٹھتی ہے۔ اک اجنبی شخص سے نفرت محسوس ہوتی ہے۔ کاش کہ تم پہلے مجھے مل جاتیں تب میں کسی وحید کو ہمارے درمیان نہیں آنے دیتا۔"

لڑکیاں شاپنگ سے لوٹی تھیں۔ تائی، چاچی، مما دادو سب لاؤنج میں براجمان تھے۔ لڑکیاں اپنی چیزیں دکھا رہی تھیں اور لڑکے ان کی دکانیں چھاننے کی شکایت دار انداز میں کر رہے تھے۔ نیچے کارپٹ پہ کشن پر کہنی رکھے ہتھیلی میں چہرہ ٹکائے نیم دراز عفان ان کی نوک جھونک پہ مسکرا رہا تھا۔

"السلام علیکم۔" لینہ عباس ان کے روبرو تھی۔ وہ جھٹکے سے سیدھا ہو گیا۔

"ارے بے وفا لڑکی۔" سب اس پہ چڑھ دوڑیں۔ سب کی باتوں کا جواب دیتی وہ بڑوں سے دعائیں لے رہی تھی۔ عفان مصطفیٰ کی نظریں اس پر سے ہٹ نہیں رہی تھیں۔ کافی کلر کے سوٹ میں ہم رنگ شال لیے بہت پیاری لگ رہی تھی۔ اپنی بے خودی کا احساس اسے خود نہیں تھا مگر مما اور دادو نے اسے جھٹکے سے سیدھا ہوتے بغور دیکھا تھا اور اب اس کے کھلے چہرے کو نہ صرف دیکھ رہی تھیں بلکہ پڑھ بھی رہی تھیں۔ کافی دیر بعد تائی جی کو ٹوکنا پڑا۔

"لڑکیو لینہ اتنے دن بعد آئی ہے چائے کافی ہی پوچھ لو۔"

"تائی جی میں مہمان تھوڑی ہوں دل چاہے گا تو خود کہہ دوں گی۔"

"جیو۔" لڑکیوں نے نعرہ لگایا۔ پھر بڑے نماز عشاء ادا کرنے چلے گئے۔

"اذی جاؤ کافی بنا لاؤ۔" اریج نے جیسے التجا کی۔

"میں بناتی ہوں سب پئیں گے۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ عفان کی طرف دیکھنے سے بھی احتراز کر رہی تھی۔

"تم بیٹھو میں بنا لاتی ہوں۔" عمامہ اٹھنے لگی۔

"لینہ جی ازلی کام چور آفر کر رہی ہے آپ بیٹھ جائیے۔" تابش کی زبان میں کھجلی ہوئی۔ "مجھ سے مہمانوں کا سا سلوک کرو گے تو پھر نہیں آؤں گی۔" اس نے دھمکی دی۔

"کچھ کھانے کو بھی لیتی آنا۔" دانیہ نے فرمائش کر کے اس کا حوصلہ بڑھایا تو وہ مسکراتے ہوئے چل دی۔ عفان مصطفیٰ انہیں الجھتا چھوڑ کر کچن میں چلا آیا۔

"کیسی ہو تم؟" بے تاب دل یہاں تک لے ہی آیا تھا وہ تو اس کی موجودگی پہ کسی قدر پزل ہو گئی تھی۔

"اچھی ہوں۔" بلیک جینز کافی کلر کے ہائی نیک میں غضب ڈھاتے عفان مصطفیٰ سے نظریں چرا کر کافی کا جار بند کیا۔ عفان نے جار اس کے ہاتھ سے لے کر اسے جگہ پہ رکھا۔ وہ پانی ڈال کر کیٹل کو کنگ رینج پہ

رکھ چکی تھی۔ برنر آن کیا تو اس نے ماچس جلا کر شعلہ دکھایا۔ پھر تیلی کو پھونک مارنے سے پہلے دھیرے سے استفسار کیا۔

"مس کرتی ہو ہمیں؟"

"بہت زیادہ۔ نانو کے گھر ہم تین ہی تو لوگ ہیں میں نانو' نانا جی جبکہ یہاں تو ماشاءاللہ ہر وقت رونق لگی رہتی ہے۔ دادو بڑی چھوٹی تائی چاچی' چھوٹی چاچی کی مشفق باتیں یاد آتی ہیں تو اذکی' عمامہ' دانیہ اور نابش' عون کی نوک جھونک مسکرانے پہ مجبور کر دیتی ہے۔ وردہ' اریج کی طرح گھر ہستی اپنانا چاہتی ہوں تو علی' حشام کی نیچر نہیں بھولتی۔" وہ سادگی سے گویا تھی۔

"اور میں....؟" استفسار پہ اک نظر اسے دیکھا پھر تیزی سے کافی پھینٹنے لگی۔

"مس نہیں کرتی ہو مجھے؟" سوال پہ دھڑکنیں تھم گئیں۔ جنوں خیز نظریں اس پہ اٹھی ہوئی تھیں۔

"نہیں۔" جواب پہ اس کے خفیف چہرے کو بغور دیکھا۔ وہ مگ اسٹینڈ سے مگ نکال رہی تھی۔ اس سے مگ لے کر وہ ٹرے میں لگا رہا تھا۔

"لینہ! جب تم جھوٹ بولتی ہو نا تو تمہارے چہرے پہ سرخی دوڑ جاتی ہے۔ کبھی غور کیا تم نے؟" شوگر پاٹ تھماتے کسی قدر شریر لہجے میں گویا تھا۔ وہ جیسے مشکل میں پھنس گئی تھی۔ اسے ترس آ گیا اس پر۔

"تم بھلے مجھے مس نہ کرتی ہو مگر میں آج بھی تمہیں مس کرنا نہیں چاہتا۔" وہ مضبوط لہجے میں گویا تھا۔ اس نے جھٹکے سے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ عفان مصطفیٰ نے تفصیلی نظر اس کے سراپے پہ ڈالی۔ کتنی ہی بکھری لٹیں عارضوں پہ جھول رہی تھیں۔

"اچھی لگ رہی ہو۔" مسکراتی نظر ڈال کر جملہ مکمل کیا اور کچن سے نکل گیا۔

☼ ☼ ☼

دادو کا ہاتھ' ہاتھ میں لیے مما کی آغوش میں سر رکھے وہ پر سکون تھا۔ اس نے جس محبت کی حاجت کی تھی وہ مل گئی تھی۔ کمی تھی تو لینہ عباس کی۔ اگر وہ اس کی زندگی میں آ جاتی تو پھر کوئی کمی نہ لگتی۔

"عفی! تمہیں لینہ کیسی لگتی ہے؟"

"کیوں دادو؟" وہ ٹھٹک گیا۔

"ایسے ہی پوچھ رہی ہوں۔"

"مجھے کیا وہ سب کو اچھی لگتی ہے۔ ان فیکٹ وہ ہے ہی بے حد اچھی۔"

"اگر اس بے حد اچھی لڑکی کو ہم تم سے باندھ کر اس گھر میں ہمیشہ کے لیے لے آئیں تو؟" مما نے شوخی سے بال بکھیر دیے۔ دل میں درد کے ٹانکے دھڑا دھڑ کھل گئے تھے۔

"مما وہ انگیج ہے۔" وہ دقت سے جملہ مکمل کر کے اٹھ گیا۔ وہ دونوں اک ثانیے کو ساکت رہ گئیں۔

"عفی! کافی پینی ہے؟" وردہ دو مگ لیے اسی طرف آ رہی تھی۔ عفان نے مگ تھام کر سپ لیا تو بے ساختہ لینہ عباس تصور کے پردوں پہ لہرا گئی۔

اداس راتوں میں' تیز کافی کی تلخیوں میں
وہ کچھ زیادہ ہی یاد آتا ہے سردیوں میں
مجھے اجازت نہیں ہے اس کو پکارنے کی
جو گونجتا ہے لہو میں سینے کی دھڑکنوں میں

دادو اور مما کو عفان مصطفیٰ کی بے کلی کا سراغ مل گیا تھا۔ ساتھ ہی افسوس بھی ہوا۔ دادو نے اسی وقت سیما نانو کو کال کی۔ اتنی بڑی خبر چھپانے پہ خفگی کا اظہار کیا تو اس سے بھی بڑی خبر سننے کو ملی وحید نے کسی کرسچن لڑکی سے شادی کر لی تھی اور لینہ کے مما' پپا نے انگیجمنٹ توڑ دی۔ یہ سانحہ لینہ کی غیر موجودگی میں ہوا سو وہ بے خبر تھی۔ دادو نے چھوٹتے ہی عفان اور لینہ کے رشتے کی بات کی تھی۔ لینہ کے پیرنٹس سے بات کر کے بڑوں نے طے کیا کہ عیدالاضحیٰ کے روز ینگ جنریشن کو سرپرائز دیں گے۔

☼ ☼ ☼

عیدالاضحیٰ کی صبح نمودار ہو چکی تھی۔ مرد حضرات نماز کے لیے گئے ہوئے تھے۔ بڑی تائی اور مما شیر خورما اور فیرنی کی تیاری میں لگی ہوئی تھیں۔ لڑکیاں تیار ہو

رہی تھیں اور دادو بہوؤں اور پوتیوں کو کھلکھلاتے دیکھ کر دعائیں دے رہی تھیں۔ عبید والے قصے کو فسانہ بنا کر پھپھو نے قطع تعلق کر لیا تھا۔ دادو کو بیٹی سے ایسی امید نہیں تھی۔ انہیں قبول تھا کہ انہوں نے آج تک پتھر کو ہیرا اور ہیرے کو پتھر جانا تھا۔ لڑکیاں دادو کو کمرے میں دیکھ کر گڑبڑا گئیں مگر جب انہوں نے ماشاءاللہ کہتے پوتیوں کو گلے لگایا تو سب ہی لپٹ گئیں۔ مرد حضرات مسجد سے لوٹ آئے لڑکیوں نے کرنوں سے سجا آنچل سر پہ ڈال کر عید مبارک کہہ کر عیدی وصول کی۔ آخری میں وہ پانچوں رہ گئے تھے۔ لڑکیاں ان کے آگے جا کھڑی ہوئیں اور جب پانچوں نے شرافت سے والٹ ان کی ہتھیلیوں میں رکھ دیے تو وہ سب صدمے سے مرنے لگیں۔ عیدالفطر میں ان لوگوں نے ایک ایک روپے کے سکے "عیدی" میں دیے تھے لڑکیوں کو وہ واقعہ بھولا نہیں تھا اور اب وہ حاتم طائی بنے ہوئے تھے مگر جب تمام والٹ سے ایک ایک روپے کا سکہ بھی برآمد نہیں ہوا تو ان کا پارہ چڑھ گیا۔ لڑکے شیر خورما کھاتے ان کی چیخ پکار انجوائے کر رہے تھے۔ بالآخر قصائی آ گیا۔ اور لڑکے مصروف ہو گئے۔ پھر تھکا دینے والا سلسلہ شروع ہو گیا پھر عزیز رشتے داروں میں گوشت تقسیم کرنے کا مرحلہ بھی طے کرنا پڑا۔ رات حسب روایت باربی کیو کا پروگرام تھا۔ گھر کے چھت پہ خوب رونق تھی۔ ماحول میں خوشبوئیں رقص کر رہی تھیں۔ تکے بن رہے تھے۔ سیخوں پہ بوٹیاں چڑھ رہی تھیں تو اک طرف بیف روسٹ ہو رہا تھا۔ ایسے میں دادو کی عزیز سہیلی ان کے شوہر اور لینہ عباس چلی آئی تو عفان مصطفیٰ کو عید مکمل لگنے لگی۔ بڑے کرسیاں ڈالے محوِ گفتگو تھے تو ینگ جنریشن کباب بنانے میں۔

"عفی! سردی بہت ہے لینہ کو گرمی قطعاً نہیں لگ رہی۔ لینہ کو چھوڑ کر سیخوں کو پنکھا جھلو۔" عون کے کمنٹ پر عفان مصطفیٰ جھینپ گیا کئی لبوں پہ معنی خیز مسکراہٹ دوڑ گئی۔ تکے سیخ کباب روسٹ بن گئے تھے۔ تب بڑوں نے ینگ جنریشن کو سرپرائز دیا کہ ابھی اور اسی وقت عفان مصطفیٰ اور لینہ کی منگنی کی تقریب ہو گی باقی فارمیلٹی لینہ کے والدین کے آنے کے بعد ہو گی۔ سب شاکڈ رہ گئے تھے۔ خود وہ دونوں بھی' پھر بڑوں کے ذریعے وحید کے ساتھ انگیج منٹ اور اس کے ختم ہونے کی بات معلوم ہو گئی تو وہ دونوں کتنی ہی دیر بے یقینی سے اک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ دادو نے رنگ عفان کو تھمائی اور اس نے سرعت سے اس کا ہاتھ تھام کر رنگ تیزی سے انگلی میں ڈال دی۔

"اتنی تیز رفتاری کہاں بھاگی جا رہی ہے لینہ؟" سب تنگ کرنے لگے نانو نے لینہ کو رنگ تھمایا۔ وہ جھکی پلکوں سے منتظر رہی کہ وہ خود ہاتھ بڑھائے جب ایسا نہیں ہوا تو اس نے پلکیں اٹھائیں وہ مسکراتے ہوئے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کے دیکھنے پہ ہاتھ بڑھا دیا۔

"انگیج منٹ مبارک۔" اس نے ہولے سے سرگوشی کی وہ سرخ ہو کر رخ موڑ گئی۔

نیچے ہال میں دسترخوان لگ چکا تھا۔ بڑے نیچے جا چکے تھے۔ اب وہ دونوں ان شیطانوں کے نرغے میں بری طرح پھنسے ہوئے تھے۔

"کیسے کیسے گھنے' میسنے لوگ ہیں۔ ذرا ہوا نہ لگنے دی ہمیں۔" یہ عون تھا۔

"عفی ہمیں تجھ سے اس غداری کی امید نہ تھی۔"

"ہماری صف نے کونسا ہمارا ساتھ دیا۔" اذکی لینہ کے کان کھینچ رہی تھی۔

"تم لینہ کی انگیج منٹ پہ سوگ منا رہے تھے؟" حشام نے قیاس کیا۔

"اس دن جب تایا جی پوچھ رہے تھے عفی تمہیں کوئی پسند ہے تو محترم نے کیسے لینہ سے کہا تھا۔ "جب کبھی میں نے اپنا یہ سیکرٹ کسی سے شیئر کیا تو یقین کریں وہ ہستی آپ ہی ہوں گی۔" یہ نہ کہا کہ محترمہ وہ آپ ہی ہیں۔" عمامہ کے تنگ کر بولنے پہ سب مسکرا دیے تھے۔

"عفی تمہیں لینہ کی کس چیز نے متاثر کیا؟" ارغم کے شوخ سوال نے لینہ کو بوکھلا دیا۔

"ان کی لیڈر شپ نے میرے آس پاس سب

ٹھیک ہو۔ سب ہم ساتھ ساتھ ہیں کا سلوگن بن جائیں۔" تابش نے پتے کی بات کی۔

"لینہ تم واقعی جادو کرتی ہو ورنہ ہمارے سب سے جینئس کزن کو متاثر کرنا آسان نہیں تھا۔" دانیہ نے سوچ بچار کے بعد زبان کھولی۔ ان کے جملوں پہ اس نے باقاعدہ ہاتھ جوڑ دیے تھے۔ تب کہیں جاکر وہ ان شیطانوں کو نیچے لے جانے میں کامیاب ہوئی۔ سب چلے گئے تو لینہ عباس بھی مڑنے لگی۔ اس نے ریڈ چوڑیوں سے سجی کلائی تھام لی۔

"تم تو مت جاؤ۔"

"کیوں؟"

"بات کرنی ہے۔"

"جب میں آئی تب تو ٹھیک سے دیکھا بھی نہیں تھا۔" اس نے گلہ کیا۔

"پرائی چیز پہ بری نیت نہیں ڈالتا۔" اس کی کلائی میں موجود چوڑیوں کو چھیڑتے ہوئے شوخ جواب دیا۔

"اب؟"

"رنگ تو پہنا ہی دیا ہے جلد ہی آفیشل کاغذ بھی بنوالوں گا۔" اس کی نظریں شریر ہوئیں۔

"جانتی ہوں خاصے ڈھیٹ ہو۔" ریڈ سوٹ میں ریڈ شال شانوں پہ ڈالے وہ نظروں اور دھڑکنوں کے پاس تھی۔ کسی ہستی سے مل کر زیست کو عنوان مل جاتا ہے۔ لینہ عباس بھی ایسی ہی ہستی تھی جس نے عفان مصطفیٰ کو جینے کا ڈھنگ سکھایا تھا۔ مستقبل کے خسارے سے بچایا تھا۔ اس نے نازک سی لڑکی کو بغور دیکھا جس نے مما کو نئی زندگی دی تھی۔ محبت کے لمس سے روشناس کرایا تھا۔ ورنہ وہ مما کو سمجھے بنا ہی کھو بیٹھتا۔ اک فضول سی ضد میں ساری عمر تشنہ ہی رہتا۔ اب وہ محبتوں کا اک محل تعمیر کر رہے تھے جس پہ کسی کی آہیں اور آنسوؤں کا قرض نہیں تھا۔

"لوگ ناحق گلہ کرتے ہیں کہ ان کی دعائیں پوری نہیں ہوتیں۔"

"تم نے کونسی دعا مانگی جو پوری بھی ہوگئی؟"

"تمہاری منگنی ٹوٹنے کی۔" اس کے برجستہ جواب پہ لینہ کی مسکراہٹ بے ساختہ تھی۔ اس کی نظروں کی تپش پہ سر جھکا گئی۔ بڑی خوب صورت خواہش عفان مصطفیٰ کے لبوں پہ مچل گئی۔

میں تیرا حسن جہاں سوز مکمل کر کے
چند لمحوں کے لیے پیار سے تجھ کو دیکھوں
اک انگلی سے اٹھاؤں تیری ٹھوڑی جاناں
اور دھیرے سے تجھے عید مبارک کہہ دوں

گمبھیر لہجے میں جذبے لو دینے لگے تھے۔ لینہ نے بلش ہو کر اپنی ٹھوڑی سے اس کی انگلی ہٹائی۔

"عیدی نکالیں۔" اس نے مہندی سے سجی ہتھیلی بغور دیکھتے ہوئے والٹ نکال کر اس میں سے ریڈ نگوں والا بریسلیٹ نکالا۔ وہ حیرت سے دیکھنے لگی۔

"جب تم نے در دل پہ دستک دی تھی تب تمہارے لیے خریدا تھا خبر نہ تھی اتنے زبردست موقع پہ پہناؤں گا۔" وہ چھپلی ہتھیلی تھام کر بریسلیٹ پہنا رہا تھا۔

"میں نے تو تم سے کچھ سیکرٹ نہیں رکھا تھا پھر تم نے کیوں سیکرٹ رکھا؟" اس نے اس کی آنکھوں میں بغور جھانکتے استفسار کیا۔

"کیا؟" لب ہولے سے ہلے۔

"یہی کہ تم بھی مجھ سے۔۔۔" اس کی ہتھیلی پہ دباؤ بڑھاتے ہوئے وہ شوخ ہوا۔ وہ شرمیلی مسکان سجائے سر جھکا گئی۔ ہتھیلی ہنوز اس کے ہاتھ میں دبی تھی۔ نیچے سے انہیں آواز دی جا رہی تھی۔ لینہ نے سیڑھیوں کی طرف چہرہ موڑا تھا۔ اگلے ہی پل اس کا پیار ہتھیلی پہ مہک اٹھا۔ وہ ہاتھ چھڑا کر سیڑھیاں طے کر گئی۔

"یہ تو بتادو عیدی پسند آئی یا نہیں؟" وہ گرل تھامے شریر ہوا۔ لینہ نے ذرا سا مڑ کر اس کا روشن چہرہ دیکھا۔

"دوسری والی زیادہ اچھی تھی۔" وہ شوخی سے جواب دے کر سیڑھیاں بھی طے کر گئی۔ عفان مصطفیٰ انگلیوں سے بال سنوارتے نفی میں سرہلاتے بے ساختہ ہنس پڑا۔

✿ ✿